جامعہ حقانیہ کا ترجمان

الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

مجلّہ

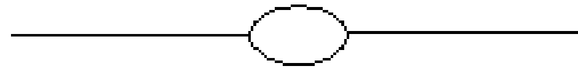
ربیع الاول ۱۴۳۱ھ مارچ ۲۰۱۰ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست

☆☆☆☆☆☆☆



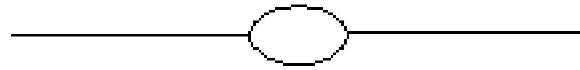
کلمۃ الحق مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

انتظامیہ اور عدلیہ کے درمیان تصادم

ع این گل دیگرے شگفت

حال ہی میں عدلیہ اور انتظامیہ کے مابین تصادم کی جو صورت حال پیدا کی گئی وہ کسی بحران سے کم نہیں ہے، کیونکہ اس سے پورے ملک کے نظام کو خطرات میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے صدر مملکت کو ایسے اقدامات سے گریز کرنا چاہیے، جن سے ملک میں عدالتی بحران کی فضا پیدا ہو اور پورے ملک کے نظام کو خطرات لاحق ہو جائیں۔ اگر صدر صاحب اس دانش مندانہ اور عاقلانہ اصول ''چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی'' (عقل مند کو ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس پر اسے شرمندگی اٹھانی پڑے) کو سامنے رکھتے تو وہ ہرگز ایسا اقدام نہ کرتے اس بارہ میں روزنامہ اسلام لاہور کے مدیر محترم نے جو کچھ لکھا ہے وہ بلا شبہ اس اقدام پر ایک حقیقت پسندانہ تبصرہ اور حالات کا صحیح تجزیہ ہے اس لئے اس بار کلمۃ الحق میں ہم اسے پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں، قارئین الحقانیہ بغور اسے ملاحظہ فرمائیں، انتظامیہ اور عدلیہ کے درمیان تصادم کے زیر عنوان مدیر روزنامہ اسلام رقمطراز ہیں:

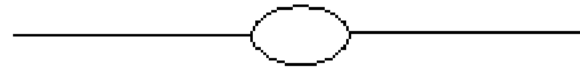
صدر پاکستان کی جانب سے ججوں کی تقرری کے معاملے کی سماعت کرنے والے تین رکنی اسپیشل بینچ نے لاہور ہائی کورٹ کے سربراہ جسٹس خواجہ شریف کو سپریم کورٹ کا جج اور جسٹس ثاقب نثار کو لاہور ہائی کورٹ کا قائم مقام چیف جسٹس مقرر کرنے کا صدارتی حکم معطل کر دیا۔ صدر نے چیف جسٹس آف پاکستان کی سمری کے برعکس لاہور ہائی کورٹ کے سربراہ جسٹس خواجہ شریف کو سپریم کورٹ کا جج اور ان کے بعد لاہور ہائی کورٹ کے سینئر ترین جج جسٹس ثاقب نثار کو لاہور ہائی کورٹ کا قائم مقام چیف جسٹس مقرر کیا تھا، اس پر چیف جسٹس آف پاکستان نے ازخود نوٹس لیتے ہوئے اس معاملے کی سماعت کے لئے تین رکنی بینچ تشکیل دیا تھا، اس بینچ نے معاملے کی سماعت ہفتے کی رات ہی شروع کر دی اور مختصر سماعت کے بعد اپنے عبوری حکم میں



تقرری کے حکم ناموں کو معطل کردیا۔ سپریم کورٹ کا کہنا ہے کہ اس فیصلے میں آئین کے آرٹیکل ۱۷۷ کی خلاف ورزی کی گئی اور جسٹس خواجہ شریف اور جسٹس ثاقب نثار تا حکم ثانی اپنے پرانے عہدوں پر ہی کام کرتے رہیں گے۔ جسٹس ثاقب نثار قائم مقام چیف جسٹس کا حلف اٹھانے سے پہلے ہی انکار کر چکے۔ ہفتے کو ہی رات گئے چیف جسٹس جسٹس افتخار چودھری نے سپریم کورٹ کے تمام ججوں کو اسلام آباد طلب کرلیا۔

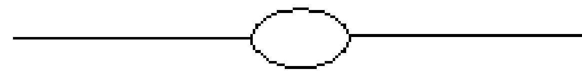
صدر آصف علی زرداری کی جانب سے چیف جسٹس آف پاکستان کی سفارشات کو نظر انداز کرکے اعلیٰ عدالتوں میں ججوں کی تقرریاں کرنے اور سپریم کورٹ کی جانب سے فوری جوابی اقدام کرتے ہوئے ان تقرریوں کو کالعدم قرار دینے سے ایک بار پھر ملک میں عدالتی بحران کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے، اور انتظامیہ اور عدلیہ کے درمیان تصادم کا ایک انتہائی ناپسندیدہ ماحول تشکیل پا گیا ہے، جس سے ملک کے پورے نظام کو خطرات درپیش ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ ملک کے اکثر آئینی، قانونی اور سیاسی حلقوں کے نزدیک صدر آصف علی زرداری نے چیف جسٹس کی سفارشات کے برعکس اعلیٰ عدالتوں میں تقرریاں کرکے ایک غیر دانشمندانہ اقدام کیا، اور سپریم کورٹ کے پاس اس اقدام کو کالعدم قرار دینے کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا، جبکہ حکومتی حلقے اور سپریم کورٹ بار کے سابق صدر علی احمد کرد سمیت بعض دیگر حلقے صدر کے اقدام کو ان کا آئینی حق قرار دے رہے ہیں اور ان کے مطابق سپریم کورٹ کے بنچ کا اجلاس رات کو طلب کرکے صدارتی فیصلے کو کالعدم قرار دینا بجائے خود ایک نامناسب اقدام ہے اور اس سے انتظامیہ کے معاملات میں عدالت کی غیر ضروری مداخلت اور مخاصمانہ رویے کی عکاسی ہوتی ہے۔

دونوں جانب کے نقطہ ہائے نظر کو سامنے رکھتے ہوئے اگر حقیقت حال کا جائزہ لیا جائے تو یہ امر بالکل واضح ہے کہ ملک میں اس وقت انتظامیہ اور عدلیہ کے درمیان تصادم اور ٹکراؤ کا میدان لگ چکا ہے اور دونوں جانب سے اس میدان کو گرم رکھنے کے لئے حتی المقدور کوششیں کی جارہی ہیں۔ ایک جانب حکمرانوں کی غیر دانشمندانہ اور نابالغ سوچ کا مسلسل مظاہرہ جاری ہے اور حکومت عدلیہ کے جائز فیصلوں پر عمل درآمد کی اپنی ذمہ داری پوری نہیں کررہی تو دوسری



جانب بھرپور عوامی طاقت کی مدد سے بحال ہونے والی عدلیہ کی جانب سے بھی بعض معاملات میں انتہائی پر جوش اور جارحانہ اقدامات کئے جارہے ہیں جن میں حکمت ومصلحت کے تقاضوں پر عزیمت کا پہلو غالب نظر آتا ہے اور چونکہ یہ سب کچھ انتظامیہ اور عدلیہ کے درمیان کشمکش کے ایک خاص پس منظر میں ہورہا ہے، اس لئے بہت سے مبصرین کو اس میں بھی انصاف کی بالادستی سے زیادہ ردعمل کے جذباتی رویے کی عکاسی دکھائی دیتی ہے، اور بعض حلقے صراحۃً کہہ رہے ہیں کہ اگر حکومت عدلیہ کے ساتھ تصادم کی راہ پر چلنے کی غلطی کررہی ہے تو عدلیہ کی جانب سے بھی اس تصادم کے خاتمے میں مدد دینے والے اقدامات نہیں کئے جارہے بلکہ جواب ترکی بہ ترکی دینے کا انداز واضح طور پر محسوس کیا جارہا ہے۔

پاکستان کو اس وقت جن داخلی وخارجی چیلنجوں کا سامنا ہے، ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ امر ناگزیر ہے کہ ریاست کے دونوں اہم ترین ادارے تصادم اور محاذ آرائی کے ماحول سے گریز کریں اور آئین وقانون کی بالادستی کے ساتھ ساتھ اس کشیدگی اور تلخ فضا کو ختم کرنے کے لئے کچھ مفاہمتی جذبے کا بھی مظاہرہ کریں۔ یہ امر غنیمت ہے کہ حکومت نے عدالت عظمیٰ کے تازہ فیصلے پر کسی قسم کے جذباتی ردعمل کا اظہار کرنے کی بجائے حتمی فیصلے کا انتظار کرنے اور عدالتی حکم پر عمل درآمد کرانے کی یقین دہانی کرادی ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ حکومت اس طرح کی صورت حال پیدا ہی نہ ہونے دیتی اور اعلیٰ عدالتوں میں ججوں کے تقرر کے حوالے سے چیف جسٹس آف پاکستان کی سفارشات کے مطابق فیصلہ کردیا جاتا۔ حکومت کا یہ موقف اپنی جگہ درست ہے کہ سپریم کورٹ نے ججوں کا تقرر صدر مملکت کا آئینی اختیار ہے اور صدر نے الجہاد کیس کے فیصلے کے مطابق سینئر ترین جج کو سپریم کورٹ میں بھیج کر کوئی غلط کام نہیں کیا لیکن آئین کی جس دفعہ نے صدر کو یہ اختیار دیا ہے، اس میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ صدر اپنا یہ اختیار چیف جسٹس کی مشاورت سے استعمال کرے گا، اب یہاں یہ امر وضاحت طلب ہے کہ مشاورت سے مراد صرف رائے طلب کرنا ہے یا چیف جسٹس کے بھیجے ہوئے ناموں پر آنکھیں بند کرکے صاد کر دینا۔ اس وقت دونوں طرح کے دلائل دیے جارہے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ تنازع سے



فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے قانون ساز اداروں کو آئین کی اس شق کی بھی وضاحت کردینی چاہیے اور اداروں کے درمیان مشاورت کے قانونی تقاضے کا واضح طریقہ کار متعین کیا جانا چاہیے، تاکہ آئندہ اس طرح کے معاملات میں اختلاف وانتشار کی گنجائش نہ رہے۔

اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اداروں کے درمیان تصادم اور کشیدگی کا باعث بننے والے اقدامات اور فیصلوں کی ہر سطح پر حوصلہ شکنی ہونی چاہیے تاکہ ملک میں قانون اور آئین کی بالادستی قائم کی جاسکے۔ اس حوالے سے سب سے زیادہ ذمہ داریاں حکومت پر عائد ہوتی ہیں۔ حکمرانوں کو اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کرکے ملک میں بحرانوں میں دھکیلنے کی بجائے ہر حال میں آئین وقانون کو لازم پکڑنے کی روایت اپنانی چاہیے یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ ہمارے حکمران اپنی ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل کرنے کی بجائے مزید غلطیوں پر غلطیاں کئے جارہے ہیں۔ صدر آصف علی زرداری اگر اقتدار میں آنے کے فوراً بعد اپنے وعدے کے مطابق جنرل مشرف کے ہاتھوں معزول کئے جانے والے ججوں کو بحال کرادیتے اور عدلیہ عوامی طاقت کی بجائے حکومتی فیصلے کے تحت آزاد ہوتی تو جنرل مشرف کے تمام غیر آئینی اقدامات اور پالیسیوں کا خاتمہ کیا جاتا تو شاید آج حکومت اور عدلیہ کے درمیان کشیدگی کا ماحول نہ ہوتا۔ اسی طرح حکومت اگر این، آر، او کے معاملے پر عدلیہ کو سخت فیصلے کرنے پر مجبور کرنے کی بجائے پہلے ہی اس متنازع قانون کا خاتمہ کردیتی تو اسے خفت نہ اٹھانی پڑتی۔ تازہ صورت حال میں بھی اگر حکومت دانش مندی کا مظاہرہ کرتی تو اس طرح کی بحرانی کیفیت پیدا نہ ہوتی۔ ایسا لگتا ہے کہ حکمرانوں کو اپنے خلاف خود نئے نئے محاذ کھولنے اور ہر محاذ پر ہزیمت اٹھا کر ہی واپس لوٹنے کی عادت سی ہوگئی ہے۔ یہ تماشے اب بند ہو جانے چاہئیں اور حکومت کو غیر دانش مندانہ اقدامات کرکے ملک میں نئے نئے بحران پیدا کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

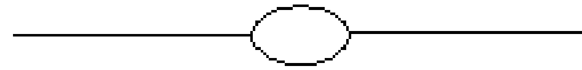
یکم ربیع الاول ۱۴۳۱ھ ۱۶ فروری ۲۰۱۰ء منگل

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے خصائص کبری میں بحوالہ بیہقی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل اور ابوسفیان اور اخنس بن شریق رات کو اپنے اپنے گھروں سے اس لئے نکلے کہ چھپ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنیں، ان میں ہر ایک علیحدہ علیحدہ نکلا، ایک کی دوسرے کو خبر نہ تھی، اور علیحدہ علیحدہ گوشوں میں چھپ کر قرآن سننے لگے، تو اس میں ایسے محو ہوئے کہ ساری رات گزر گئی، جب صبح ہوگئی تو سب واپس ہوئے، اتفاقاً راستہ میں مل گئے، اور ہر ایک نے دوسرے کا قصہ سنا، تو سب آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تم نے یہ بری حرکت کی، اور کسی نے یہ بھی کہا کہ آئندہ کوئی ایسا نہ کرے کیونکہ اگر عرب کے عوام کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ سب مسلمان ہوجائیں گے۔

یہ کہہ سن کر سب اپنے اپنے گھر چلے گئے اگلی رات آئی تو پھر ان میں سے ہر ایک کے دل میں یہی ٹیس اٹھی کہ قرآن سنیں، اور پھر اسی طرح چھپ چھپ کر ہر ایک نے قرآن سنا، یہاں تک کہ رات گزر گئی اور صبح ہوتے ہی یہ لوگ واپس ہوئے، تو پھر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، اور اس کے ترک پر سب نے اتفاق کیا، مگر تیسری رات آئی تو پھر قرآن کی لذت وحلاوت نے انہیں چلنے اور سننے پر مجبور کردیا، پھر پہونچے اور رات بھر قرآن سن کر لوٹنے لگے، تو پھر راستہ میں اجتماع ہوگیا، تو اب سب نے کہا کہ آؤ آپس میں معاہدہ کرلیں کہ آئندہ ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے، چنانچہ اس معاہدہ کی تکمیل کی گئی اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، صبح کو اخنس بن شریق نے اپنی لاٹھی اٹھائی، اور پہلے ابوسفیان کے پاس پہونچا کہ بتلاؤ اس قرآن کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے دبے دبے لفظوں میں قرآن کی حقانیت کا اعتراف کیا، تو اخنس نے کہا کہ بخدا میری بھی یہی رائے ہے، اس کے بعد وہ ابوجہل کے پاس پہونچا اور اس سے بھی یہی سوال کیا کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام کو کیسا پایا؟



ابوجہل نے کہا کہ صاف بات یہ ہے کہ ہمارے خاندان اور بنوعبد مناف کے خاندان میں ہمیشہ سے چشمک چلی آتی ہے،قوم کی سیادت وقیادت میں وہ جس محاذ پر آگے بڑھنا چاہتے ہیں ہم ان کا مقابلہ کرتے ہیں،انہوں نے سخاوت وبخشش کے ذریعہ قوم پر اپنا اثر جمانا چاہا تو ہم نے ان سے بڑھ کر یہ کام کر دکھایا،انہوں نے لوگوں کی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں تو ہم اس میدان میں بھی ان سے پیچھے نہیں رہے،یہاں تک کہ پورا عرب جانتا ہے کہ ہم دونوں خاندان برابر حیثیت کے مالک ہیں۔

ان حالات میں ان کے خاندان سے یہ آواز اٹھی کہ ہمارے میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے،اب ظاہر ہے کہ اس کا مقابلہ ہم کیسے کریں،اس لئے ہم نے تو یہ طے کرلیا ہے کہ ہم زور اور طاقت سے ان کا مقابلہ کریں گے،اور ہرگز ان پر ایمان نہ لائیں گے۔(خصائص،ص ۱۱۵ ج ۱) یہ ہے قرآن کا وہ کھلا ہوا معجزہ جس کا دشمنوں کو بھی اعتراف کرنا پڑا ہے،یہ تمام واقعات علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے خصائص کبریٰ میں نقل کئے ہیں۔

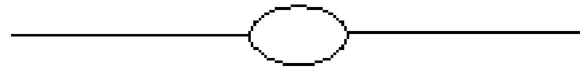
(معارف القرآن ج ۱ ص ۱۵۲)

ارشادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ

ارشاد: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اللہ اسم جلالہ ہے جس کا تعلق معرفت ذات وصفات الٰہیہ سے ہے رحمٰن کو مفسرین نے رحمٰن الدنیا کہا ہے حقیقت یہ ہے کہ رحمانیت وہ صفت ہے جو انعام عموی کو مقتضی ہے اور رحیمیت وہ صفت ہے جو انعام عظیم کو مقتضی ہو جس کا مظہر آخرت ہے۔

ارشاد: چونکہ ثمر حاصل کرنے کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ جملہ لوازمات ثمر کو مہیا کیا جائے (چنانچہ کاشتکار گیہوں پیدا کرنے کیلئے کھاد بھی کھیت میں ڈالتا ہے) لہٰذا دنیا میں ہر ایک پر انعام ہوتا ہے اور وصف رحمانیت کارفرما ہے۔بہرحال جب وصف رحمانیت مبدأ ہے دنیاوی نعمتوں کا تو تذکیراً لاء اللہ کی جانب اشارہ کے ساتھ ساتھ "طرق وصول الی اللہ" کی جانب ایماء بھی ہوگیا اور "رحیم" سے وصول الی اللہ کی جانب ایماء ہوگیا۔



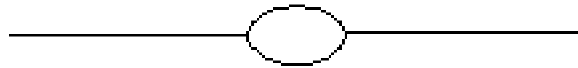
مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

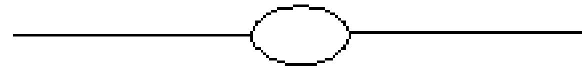
(۵) عن ابی ایوب ان اعرابیا عرض لرسول اللّٰہ ﷺ وھو فی سفر فاخذ بخطام ناقتہ (او برمامھا) ثم قال یا رسول اللّٰہ (او یا محمد) اخبرنی بما یقربنی من الجنۃ ویباعدنی من النار؟ قال فکف النبی ﷺ ثم نظر فی اصحابہ ثم قال لقد وفق (اولقد ھدی) قال کیف قلت؟ فاعاد فقال النبی ﷺ تعبد اللّٰہ ولا تشرك بہ شیئا وتقیم الصلوٰۃ وتوتی الزکوٰۃ وتصل الرحم دع الناقۃ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک سفر میں تھے کہ ایک بدوی سامنے آکھڑا ہوا اور اس نے آپ کی ناقہ کی مہار پکڑ لی پھر کہا اے اللہ کے رسول (یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر کہا کہ اے محمد!) مجھے وہ بات بتاؤ جو جنت سے مجھے قریب اور آتش دوزخ سے دور کردے؟ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رک گئے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کا جواب دینے کیلئے اپنی ناقہ کو روک لیا) پھر اپنے رفقاء کی طرف آپ نے دیکھا اور (ان کو متوجہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ اس کو اچھی توفیق ملی (یا فرمایا کہ اس کو خوب ہدایت ملی) پھر آپ نے اس اعرابی سائل سے فرمایا کہ ہاں ذرا پھر کہنا تم نے کس طرح کہا؟ سائل نے اپنا وہی سوال پھر دہرایا (مجھے وہ بات بتا دو جو جنت سے مجھے نزدیک اور دوزخ سے دور کردے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبادت اور بندگی کرتے رہو صرف اللہ کی اور کسی چیز کو اس کے ساتھ کسی طرح بھی شریک نہ کرو اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور صلہ رحمی کرو (یعنی اپنے اہل قرابت کے ساتھ حسب مراتب اچھا سلوک رکھو اور ان کے حقوق ادا کرو) یہ بات ختم فرما کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدوی سے فرمایا کہ اب ہماری ناقہ کی مہار چھوڑ دو۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت سے قریب اور جہنم سے بعید کرنے



والے اعمال میں سے صرف اللہ کی خالص عبادت اقامت صلوٰۃ اداء زکوٰۃ اور صلہ رحمی ہی کا ذکر فرمایا حتی کہ روزہ اور حج کا بھی ذکر نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کے لئے بس یہی چار باتیں کافی ہیں اور ان کے علاوہ جو فرائض وواجبات ہیں وہ غیر ضروری یا غیر اہم ہیں ایسا سمجھنا اور احادیث میں اس قسم کی موشگافیاں پیدا کرنا فی الحقیقت سلامت فہم اور خوش مذاقی سے بہت دور ہے حدیث کے طالب علم کو یہ اصول ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے ایک شفیق معلم اور مشفق مربی ہیں آپ کوئی مصنف اور مؤلف نہیں ہیں اور شفیق معلم کا طریقہ یہی ہوتا ہے اور یہی اس کے لئے صحیح بھی ہے کہ وہ جس موقع پر جس بات کی تلقین وتعلیم زیادہ مناسب سمجھتا ہے بس اس وقت اتنی ہی بات بتلاتا ہے۔ یہ طریقہ مصنفوں کا ہے کہ جہاں وہ جس موضوع پر کلام کرتے ہیں اس کے تمام اطراف وجوانب اور مالہ وماعلیہ کو اسی جگہ بیان کرتے ہیں، کسی شفیق معلم ومربی کی تعلیم وتلقین میں بھی مصنفین وارباب فنون کا یہی طرز بیان تلاش کرنا درحقیقت خود اپنی بد ذوقی ہے پس روزہ حج اور جہاد وغیرہ کا اس حدیث میں جو ذکر نہیں ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اس وقت اس سائل کو ان ہی چار باتوں کی تذکیر وترغیب کی خاص ضرورت تھی اور شاید اس کا سبب یہ ہو کہ عموماً ان ہی چار چیزوں میں لوگوں سے کوتاہی زیادہ ہوتی ہے یعنی اقامت صلوۃ اداء زکوۃ اور صلہ رحمی میں غفلت وکوتاہی اور اللہ کے ساتھ شرک کا خطرہ دوسری قسم کی کوتاہیوں سے زیادہ رہتا ہے آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ روزہ اور حج جن پر فرض ہے ان میں ان کے تارک اتنے نہیں ہیں جتنے نماز وزکوۃ اور صلہ رحمی وغیرہ حقوق العباد کی ادائیگی میں غفلت کرنے والے ہیں یا جو کسی قسم کے جلی یا خفی شرک میں ملوث ہیں۔ ایسے آدمی تو شاید تلاش کرنے سے بھی نہ مل سکیں جو نماز وزکوۃ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے تو کما حقہ پابند ہوں لیکن روزہ اور حج باوجود فرضیت کے ادا نہ کرتے ہوں، لیکن آپ ایسوں کو گن بھی نہیں سکتے جو رمضان آنے پر روزے تو رکھ لیتے ہیں مگر نماز کے پابند نہیں یا اگر حج تو انہوں نے کرلیا ہے لیکن زکوۃ اور صلہ رحم جیسے حقوق عباد کے معاملے میں وہ سخت کوتاہ کار ہیں۔ الغرض بہت ممکن ہے کہ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت صرف ان ہی چار باتوں کی تلقین پر اکتفا فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔



محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

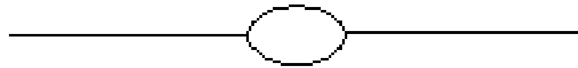
جمع وترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ

O فرمایا حضرت حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ سماع مبتدی کے لئے مضر ہے اور منتہی کو اس کی حاجت نہیں اور اس ضرر کو وہ شخص جو سماع میں مبتلا رہا ہو خوب سمجھے گا کیونکہ اس کو تو اس امر کا مشاہدہ ہے کہ سماع میں کچھ فائدہ نہیں۔

O فرمایا میں نے اہل بدعت کے سامنے کان پور میں غیر مقلد کی ایک نشانی بیان کی تھی جس سے وہ بدعتی غیر مقلد ثابت ہوگئے وہ یہ کہ غیر مقلد مسائل میں ہمیشہ قرآن وحدیث سے تمسک کرے گا اور فقہ سے کبھی مسئلہ نہ لے گا بخلاف ہمارے حضرات احناف کے کو لوگ ان کو غیر مقلد کہتے ہوں مگر وہ ہر مسئلہ میں فقہ سے تمسک کرتے ہیں اور یہ تعریف بدعتیوں پر اس لئے صادق آگئی کہ ان کی بدعات کا کتب مذہب میں تو پتہ نہیں لامحالہ وہ آیات واحادیث سے استدلال کرتے ہیں گو استدلال غلط ہی ہو۔

O فرمایا انسان وہ مراقبہ کرے جو میں نے کل بیان کیا تھا یہ بہت ہی مفید ہے اور واقعہ یہی ہے کہ انسان ہے کیا جو اپنا معتقد بنے، اپنی نماز کو دیکھ لے کیا یہ نماز اس لائق ہے کہ خدا تعالیٰ کے سامنے اس کو پیش کر سکے اسی طرح ہر عبادت میں یہ مراقبہ کرے، اسی طرح علم کو بھی دیکھ لے پس تو پھر کس چیز کا معتقد ہو۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ہمارے معتقد ہوں وہ اولاً خود اپنے معتقد ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ انسان جب اپنے اندر کوئی چیز قابل اعتقاد نہیں دیکھے گا تو اپنا معتقد بھی نہیں ہو سکتا اور جب اپنا معتقد نہ ہوگا تو یہ کوشش بھی نہ کرے گا کہ لوگ میرے معتقد ہوں بلکہ اگر کوئی معتقد بھی ہو اس کو یہی کہے گا کہ یہ شخص غلطی میں مبتلا ہے۔

O ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ میں نے عورت کو لفظ طلاق نہیں کہا تھا بلکہ تلاک کہا فرمایا نکاح کے وقت بھی تو کیا نکاح نہ کہا تھا نکاہ کہا تھا اگر اس سے نکاح ہوگیا تھا تو تلاک سے طلاق بھی ہوگئی۔ اور اگر اس سے نکاح نہ ہوا تھا تو عورت نکاح نہ ہونے کے سبب جدا ہونا چاہئے۔



فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

اصلاحی مکاتیب

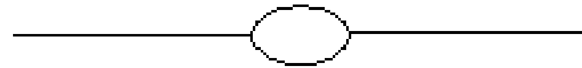
سالکین کے خطوط اور حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ کے جوابات

حال: تصورِ شیخ کا کیا حکم ہے خصوصاً نماز میں، میں قصداً نماز میں تصورِ شیخ کرتا ہوں۔

ارشاد: تصورِ شیخ کے بارے میں ہمارے اکابر محتاط طریقہ اختیار کرتے ہیں عوام کو اس سے احتراز کرنے کی ہدایت کرتے ہیں البتہ خواص صاحب فہم کو چند شرائط کے ساتھ اجازت دیتے ہیں۔

بڑی شرط یہ ہے کہ شیخ کے عالم غیب ہونے اور سماع عن البعید کا عقیدہ نہ ہو اور یہ بھی عقیدہ نہ ہو کہ ان کو میرے حالات کا علم ہے، صرف یہ تصور جمعیت خاطر اور یکسوئی کیلئے کرایا جاتا تھا مقصود نہیں ذریعہ ہے جمعیت خاطر کا اور وسیلہ ہے توجہ الی اللہ کا، اگر کسی کو ان شرائط کے ساتھ فائدہ ہوتا ہو تو اس کیلئے اجازت ہے مگر عوام چونکہ غلو کرنے لگے اور ان شرائط کے پابند نہیں رہتے اس لئے حکماء امت نے اس سے منع کر دیا نہ اس لئے کہ یہ عمل فی نفسہ ناجائز ہے بلکہ اس سے مفاسد پیدا ہو گئے اس لئے سداً للذریعہ روک دیا گیا اور عام طور سے منع کیا جاتا ہے لیکن خواص کو اپنی نگرانی میں شیخ اس کی تعلیم دے سکتا ہے یہ بات اس کی بصیرت پر ہے کہ کون شخص اس کا اہل ہے کون اہل نہیں اور کس کیلئے مفید ہے کس کیلئے مضر ہے، یہ تو نفس ''مسئلہ تصورِ شیخ'' کے بارہ میں عرض ہے، شیخ کی حیات اور وفات کے بعد ایک ہی حکم ہے اللہ تعالیٰ چاہیں تو ان کو حالات سے مطلع کر دیتے ہیں یہ سمجھنا ناجائز ہے کہ ان کو اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔

البتہ نماز میں چونکہ اخلاص کی تعلیم کانک تراہ گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے ارشاد فرما کر دی گئی ہے اس لئے اس میں خالص خدا تعالیٰ کی طرف توجہ ہونی اور اپنے قلب کو اس کی طرف متوجہ کرنا چاہئے نماز میں قصداً کسی دوسری طرف توجہ اور تصور اخلاص اور مقصد نماز و عبادت کے خلاف ہے، غالی صوفیوں کی ایسی ہی غلطیوں اور عبادات میں غیر اللہ کی آمیزش کرنے کی وجہ سے ہی اس عمل کو شرک قرار دیا گیا ہے، اس سے کلی اجتناب کی ضرورت ہے، نماز میں صرف خالصاً



اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہونی چاہئے قصداً مرشد کا تصور ہرگز نہیں ہونا چاہئے خطرہ ہے کہ یہ شرک کی طرف منجر نہ ہوجائے اور اخلاص کے خلاف ہونیکا تو شبہ ہی نہیں ہے آپ کا یہ قصداً تصور نماز میں بالکل ناجائز ہے۔

حال: ذکر کے وقت نیند کا غلبہ ہوتا ہے جس طرح تین ہزار مکمل کرتا ہوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کا پورا فائدہ نہیں کہ کبھی بیٹھ کر کبھی کمرہ میں چل پھر کر کرتا ہوں۔

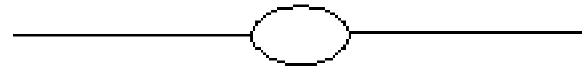
ارشاد: فائدہ سے خالی نہیں مگر بیٹھ کر کرنے سے زیادہ فائدہ ہے۔

حال: بندہ چونکہ بچوں کو قرآن مجید پڑھاتا ہے تو امردلڑ کے پڑھنے والے ہوتے ہیں ان کا سامنا ہونا ضروری ہے اس بارے میں ارشاد فرماویں کیا تدبیر کی جائے۔

ارشاد: جہاں تک ہوسکے نگاہ نیچی رکھی جائے یغضوا من ابصارھم اور عقوبت آخرت کا استحضار کیا جائے ،حضرت امام ابوحنیفہؒ کا امام محمدؒ کے ساتھ جو معاملہ رہا اس کو پیش نظر رکھا جائے کہ وہ ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے،البتہ کچھ دنوں مشقت پیش آئے گی پھر لذت آنے لگے گی، ہمت سے کام لیتے رہیں، کوتاہی ہوجائے تو استغفار کی کثرت سے تلافی کرتے رہیں پس یہی علاج ہے اور دعاء حفاظت وظیفہ ہے۔

حال: طبیعت میں غصہ بہت زیادہ ہے طلباء پر غصہ حد سے زیادہ آتا ہے تو پھر منہ سے ناشائستہ الفاظ بھی نکل جاتے ہیں اس کے بارے میں ارشاد عالی ہو۔

ارشاد: حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا وعظ الغضب زیر مطالعہ رہے بار بار مطالعہ کرتے رہیں اور غصہ کے وقت زبان کو قابو میں رکھیں خواہ کتنا ہی تقاضہ ہو، اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کی کثرت رکھیں کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں اور بیٹھے ہوں تو لیٹ جائیں اور یہ مراقبہ کریں کہ جس پر میں غصہ کر رہا ہوں مجھ کو اس پر اتنا اختیار نہیں جس قدر حق تعالیٰ کو مجھ پر اختیار ہے اور مجھ پر اس کا حق بھی بہت ہے اگر وہ میرے ساتھ ایسا معاملہ فرمائیں تو پھر میرا کیا حال ہو۔



فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

مدارس دینیہ کا نصاب تعلیم

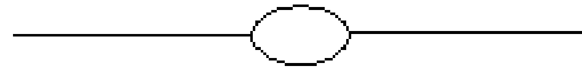
دورہ حدیث شریف کی مدت تعلیم

حضرت مولانا فضل محمد صاحب رحمہ اللہ کے نام حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب گرامی میں دورہ حدیث شریف کے بارہ میں دو سال ختم کی تجویز کا جو اظہار فرمایا ہے دینی مدارس کے ارباب اہتمام کو اس پر سنجیدگی سے غور فرمانے کی ضرورت ہے اس طریقہ سے حدیث شریف کے ساتھ طلباء کا اشتغال زیادہ رہے گا اور اس فن شریف سے مناسبت کے پیدا ہونے کی زیادہ قوی امید ہے حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ دو سال میں ہونا زیادہ مفید ہے۔ (ص ۳۷۲)

اس قسم کی جزوی اصلاحات اور ترمیم نصاب میں ہوتی رہتی ہے، اب بھی وفاق المدارس کے نصاب میں غور کے بعد کافی ترمیم ہوئی مگر کتابوں کی تبدیلی کے ساتھ ترتیب کتب اور طریقہ تعلیم میں تبدیلی زیادہ مفید معلوم ہوتی ہے، جیسے دورہ حدیث شریف میں کتابوں کی تبدیلی کی بجائے اس کو دو سال میں پڑھایا جایا کرے تو زیادہ مفید ہوگا اور طریقہ تعلیم بھی متقدمین کے طرز پر ہو کہ کتاب کے حل اور متعلقہ مباحث پر زیادہ وقت صرف کیا جایا کرے خارجی ابحاث اگرچہ بہت مفید ہوں مگر ان پر ایسے طریقہ سے بحث کی جائے کہ اصل کتاب کے مضامین میں مفید ہوں ایسا نہ ہو کہ اصل کتاب کے مباحث سے طلباء کی نظر او جھل ہو جائے اور خارجی امور ہی مطمح نظر بن کر رہ جائیں، طویل تقریروں میں اکثر ایسا ہی ہو جاتا ہے۔

ایک لطیفہ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانہ کانپور کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک استاذ صاحب میزان الصرف میں الف لام کی چار قسمیں استغراق وغیرہ بتلا رہے



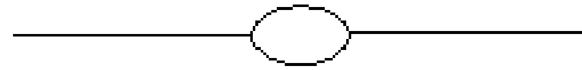
تھے ،تو حضرت نے فرمایا کہ مولانا اس غریب کو تو ایک ہی قسم استغراق کی معلوم ہے یہ آپ کی اس تطویل کو نہیں سمجھتا بس اس میں مستغرق ہے۔

کتب تدریس اور طریقہ تدریس

نیز مکررات ابحاث میں ایک اچھی طرح بحث کر دی جائے پھر مختصر حوالہ کو کافی سمجھا جائے ،دوسری کتابوں میں بھی وہ مباحث مکرر آتے ہیں اساتذہ کرام ان میں اختصار سے کام لیں ،ایمان اور عبادات وغیرہ کے اختلافی ابحاث میں جو ہر کتاب میں تحقیقات میں وقت صرف ہوتا ہے وہ بہت ہی مفید اور نافع ہوتا ہے کیونکہ ہر کتاب کی خصوصیات ہوتی ہیں اور ہر استاذ کا تجربہ اور طریقہ افہام علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے مگر وقت کی کمی کی وجہ سے کتابوں کے آخری حصوں کا بہت کم حق ادا ہوتا ہے اور بعض ابواب پر کما حقہ بحث اور افہام کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

اصول حدیث میں نخبۃ الفکر کا پڑھانا لازمی ہونا چاہیے اور کچھ حصہ تدریب الراوی کا بھی ہو جائے تو بہتر ہے اس طرح تفسیر میں جلالین شریف مفید درسی کتاب ہے وہ عربی میں ترجمہ قرآن کریم ہے، اور مختصر طریقہ سے حل قرآن بھی ہے تجربہ سے اس کا مفید ہونا محقق اور ثابت ہے ،حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے گرامی بھی یہی ہے، البتہ وہ پڑھانے کے طرز کے شاکی ہیں اور تفسیر میں اضافہ کی ضرورت بھی فرماتے ہیں اگر جلالین کے ساتھ تفسیر مدارک کا اضافہ کردیا جائے تو بہتر ہو ،حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تجویز بھی دارالعلوم دیوبند کے دورۂ تفسیر والوں کیلئے یہی تھی ،اس سے پہلے لفظی ترجمہ اردو میں طالب علم تین سال پڑھا ہوا ہوتا ہے اب قواعد عربیت کے لحاظ سے اس کو پڑھنا سمجھنا آسان ہوجاتا ہے۔ کیونکہ یہ حنفی مسلک کی تفسیر ہے، اور تفسیر بیان القرآن مؤلفہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا مطالعہ ضروری سمجھا جائے تو نور علیٰ نور ہوگا۔

اصول تفسیر میں الفوز الکبیر کے ساتھ تفسیر اتقان کے منتخب مضامین کو داخل نصاب کرنا مفید ہوگا ،فقہ میں نور الایضاح صرف عبادات نماز ، روزہ ، حج ، زکوۃ کا بیان ہے ،قدوری میں ان عبادات کے احکام کا تکرار اور بیوع ،مضارعت ،مضاربت وغیرہ معاملات اور میراث ،وصایا وغیرہ کا بیان بھی آجاتا ہے ،پھر شرح وقایہ میں ان احکام کی تعلیلات پر بھی طالب علم کی توجہ دلائی



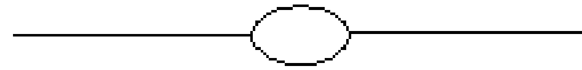
جاتی ہے،ہدایہ میں تو تقریباً ہر مسئلہ کی نقلی اور عقلی دلیل پر طالب علم کو عبور حاصل ہو جاتا ہے۔ تفسیر،حدیث ،فقہ انہی تین علوم کی تحصیل اصل موضوع ہے درس نظامی کا اور یہ نہایت جامع نصاب ہے البتہ محنت اور طریقہ سے پڑھنے اور پڑھانے کی ضرورت ہے، پہلے مطالعہ طریقہ سے کیا جائے اور اس میں معلومات کو مجہولات سے ممیز کرلیا جائے کہ سبق میں فلاں فلاں باتیں تو خود مطالعہ سے ہی معلوم ہوسکتی ہیں اور فلاں فلاں باتیں بغیر استاذ کے سمجھ میں نہیں آسکتیں، پھر سبق توجہ سے پڑھا جائے استاذ کی تقریر غور سے سنی جائے اور ان مجہولات پر خصوصی توجہ دی جائے اس کے بعد سبق کا تکرار کیا جائے،ان تینوں امور کا التزام کیا جائے تو ان شاء اللہ تعالی کتاب حل ہو جائیگی اور سمجھ میں آ جائیگی۔

پرانا طریقہ تعلیم

پرانا طریقہ تعلیم تو یہ تھا کہ طلباء مطالعہ میں خود کتاب کو حل کر کے لاتے تھے اور عبارت کا صحیح کرنا اور اس کا ترجمہ کرنا پھر مسئلہ کی تقریر کرنی طالب علم کے ذمہ ہوتا تھا، کہیں غلطی ہو جاتی تو استاذ اصلاح فرماتے تھے،اس طرح طلباء میں عبارت فہمی کی استعداد پیدا ہوتی تھی اور علمی لیاقت بڑھتی تھی اور قوت مطالعہ اتنی قوی ہو جاتی تھی کہ اس فن کی جو کتاب بھی سامنے آجاتی اس کو مطالعہ سے حل کرلیا کرتے تھے، یہ طریقہ نہیں تھا کہ طلباء عبارت کتاب پڑھ کر فارغ ہو گئے اب استاذ صاحب تقریر فرمارہے ہیں طلباء کی مہربانی ہے کہ اس کو سن لیں، ورنہ کوئی اونگھ رہا ہے کوئی ادھر ادھر دیکھنے میں مشغول ہے یہ تو سبق میں حاضر طلباء کا حال ہے اور بہت زیادہ طلباء اسباق میں اس برائے نام حاضری سے بھی محروم ہی رہتے ہیں، پھر کامل استعداد کے طالب ہوتے ہیں اپنے نقص کی اصلاح کی طرف توجہ کرنے کی بجائے نصاب کی اصلاح کے درپے ہو جاتے ہیں پھر وہ اصلاح بھی موضوع سے متعلق نہیں بلکہ زیادہ تر اصلاحات موضوع سے غیر متعلق ہی ہوتی ہیں یعنی درس نظامی اور دینی مدارس سے ان کا تعلق نہیں ہوتا فی نفسہ اگر چہ وہ مفید ہی ہوتی ہوں۔

علوم جدیدہ کی ہوس

کوئی کہتا ہے تاریخ ،اقتصادیات ،معاشیات ،سیاسیات ،علم النفسیات ،جدید علم کلام



اور فلسفہ جدید وغیرہ وغیرہ اس میں نہیں ہے، ٹھیک ہے ان علوم کی بھی ضرورت ہے مگر غور طلب بات تو یہ ہے کہ جن علوم کو درس نظامی میں داخل کیا ہوا ہے اور جو علوم نصاب کے موضوع ہیں ان میں آپ نے کتنی استعداد ولیاقت حاصل کی ہے جو غیر ماوضع لہ کی طلب کر رہے ہیں؟ اور متعلقہ علوم میں کتنا کمال حاصل کیا ہے جو غیر متعلقہ علوم کی تمنا پیدا ہوگئی؟

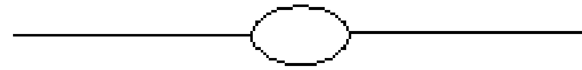
اکثر دیکھنے میں آ رہا ہے جو طلباء ناقص استعداد ہوتے ہیں وہی دوسرے غیر متعلقہ علوم کے طالب ہوتے ہیں ورنہ جن طلباء کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے کتاب وسنت اور فقہ میں کسی قدر مناسبت حاصل ہوگئی ہے وہ تو ان علوم کے ساتھ تمام عمر وابستہ رہنے کو اپنے لیے سعادت دارین اور وسیلہ نجات سمجھتے ہیں اور ساٹھ ساٹھ ستر ستر برس تک اپنی علوم کی آبیاری اور اشاعت میں گزار دیتے ہیں اور دینی مدارس کی نمک خواری کا حق ادا کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ اللھم اجعلنا منھم۔

دینی ودنیوی مدارس

پھر یہ بھی غور طلب بات ہے کہ ہر مفید اور ضروری چیز کو ہر ایک مدرسہ کے نصاب میں داخل کرنا کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتا، ڈاکٹری، وکالت، انجینئری تمام امور اپنی اپنی جگہ پر مفید بلکہ ضروری ہیں مگر اکثر ان کی درسگاہیں اور کالج علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اور ہر ڈاکٹر کا وکیل یا انجینئر ہونا ضروری قرار نہیں دیا جاتا بلکہ ہر کالج کو اپنی جگہ مفید اور ضروری قرار دیا جاتا ہے اور ہر فن کی تعلیم گاہوں اور کالجوں کا انتظام کیا جاتا ہے، نہ معلوم دینی علوم کی درسگاہوں اور ان کی تحصیل کو اس نگاہ سے کیوں نہیں دیکھا جاتا کہ اپنے شعبہ میں درجہ تخصص حاصل کرنے کیلئے یہ درسگاہیں بھی ضروری اور مفید ہیں اور ان کی افادیت اور نافعیت اصل دائرہ عام مسلمانوں کی دینی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے۔

دنیوی فنون کے ساتھ دینی علوم کی ضرورت

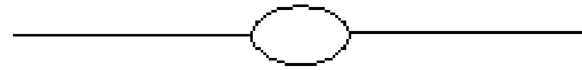
دوسرے دنیوی علوم وفنون کی تحصیل کی افادیت اور ضرورت ایک حد تک مسلم ہے اور اس کی طرف حکومت کی توجہ بھی کافی حد تک مبذول ہے، اور قومی خزانہ سے بھی اربوں روپیہ اس دنیوی تعلیم پر خرچ ہوتا ہے، مگر چونکہ اس دنیوی تعلیم کا نصاب صرف دنیوی مقاصد کو حاصل کرنے



کیلئے وضع کیا گیا ہے اور یہ وہی انگریزوں کے زمانہ حکومت سے فرسودہ نظام چلا آ رہا ہے اور فرنگی کی روح اس میں کارفرما ہے اس لئے اس سے دینی تعلیم حاصل نہیں ہوتی نہ ان کے ارباب انتظام کو اس کا فکر ہے کہ قوم کو دینی تعلیمات سے بھی روشناس کیا جائے، دنیوی تعلیم کی بڑی ڈگریاں حاصل کر لی جاتی ہیں مگر دینی علوم کی ابجد سے بھی اکثر ان ڈگری یافتہ لوگوں کو واقفیت حاصل نہیں ہوتی نہ اس کی فکر ہی ہوتی ہے کہ بحیثیت قوم مسلم ان کو دینی ضروری معلومات بھی حاصل کرنے کی ضرورت ہے، نہ وہ نصاب تعلیم میں ضروری دینی علوم کو شامل کرتے ہیں۔

سرکاری مدارس میں دینی علوم کو شامل کرنے کی بجائے اور اپنے نصاب تعلیم میں تبدیلی کرنے کی ضرورت محسوس کرنے کی بجائے ملک میں جو قومی چندوں سے چند مدارس دینیہ قائم ہیں اور ان کا موضوع اور اصل مطمح نظر صرف قرآن وسنت اور فقہ وغیرہ علوم دینیہ کی تعلیم دینا ہی نہیں بلکہ ان علوم میں مہارت تامہ پیدا کرنا اور ان علوم میں ایسے فضلاء کو تیار کرنا ہے جو ہر پیش آمدہ مسئلہ کو قرآن وسنت کی روشنی میں دلائل سے ثابت کر سکیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ یہ مدارس دینیہ بھی سرکاری مدارس اور کالجوں کے نصاب تعلیم کو قبول کر لیں اور ان میں منضم ہو جائیں اور ان کا مستقل تشخص قائم نہ رہے، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ علوم دینیہ کے علماء وفضلاء پیدا ہونا بند ہو جائیں اور سلف صالحین کے علوم کی حفاظت کا کوئی نظام نہ رہے اور ہم ماڈرن اسلام جس طرح چاہتے ہیں ترتیب دے لیں اور اسی کو اسلام کی تعلیم قرار دے کر ملک میں نافذ کر دیں، یہ دینی مدارس ان کے ماڈرن اسلام کے منصوبے کی راہ میں حائل ہیں، اس لیے ان کو اس نظام پر طرح طرح کے اعتراضات اور شبہات پیدا ہو رہے ہیں، اور اب سے نہیں عرصہ دراز سے ہو رہے ہیں۔

کبھی کہا جاتا ہے کہ دو طرح کی تعلیم سے دین ودنیا کی تفریق ہو رہی ہے، مگر ان کو لاء کالج اور میڈیکل کالج اور انجینئرنگ کالج اور زراعت کالج وغیرہ سے کسی قسم کی تفریق کا خدشہ نہیں ہوتا نہ اس کو وہ قومی خزانہ کا ضیاع سمجھتے ہیں۔ البتہ ان کو قومی چندہ کے ضیاع کا بڑا فکر ہے جس پر دینی مدارس قائم ہیں۔ اور کسی جبر واکراہ کے بغیر اہل خیر کے عطیات وصدقات سے وہ چل رہے ہیں اور اہل خیر ان کو اپنے لئے ذخیرہ آخرت سمجھتے ہیں اور اپنی عاقبت کی درستگی کا ذریعہ تصور کرتے ہیں اور اپنی مدد

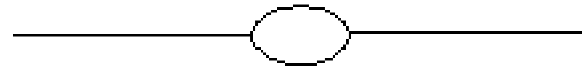


آپ اور امداد باہمی کے اصول پر تعاون کرتے ہیں۔ ان کو قوم پر بوجھ سمجھا جاتا ہے اور ذلت کا طعنہ دیا جاتا ہے، بخلاف حکومت کے خزانہ کے اکثر وبیشتر جس میں جبر واکراہ سے وصول کئے ہوئے ٹیکسوں سے رقومات جمع ہوتی ہیں، جو سرکاری مدارس ملک میں چل رہے ہیں ان پر کسی قسم کا طعنہ بھی نہیں وہ باعزت ہیں، یہ مدارس دینیہ ہر طرح سے قابل طعن اور لائق ملامت ہیں۔

انگریز کی پیدا کی ہوئی ذہنیت کا اور اس کے نظام تعلیم کا یہی اثر ہونا چاہیے کہ علماء اور مدارس دینیہ کے فضلاء کو ذلیل سمجھا جائے اور ان کے خلاف ہر طرح کا پروپیگنڈا نہ صرف روا بلکہ ضروری سمجھا جائے، ان کے نزدیک صرف سرکاری مدارس کے فضلاء ہی عزیز اور باعزت ہیں۔ یہ منطق ہماری سمجھ میں کبھی نہیں آئی کہ بغیر جبر واکراہ کے چندوں سے قائم شدہ قومی مدارس تو قوم پر بوجھ ہی ہوں اور ان کے فضلاء کو معاشرہ میں عزت کا کوئی مقام حاصل نہ ہو بلکہ جبر وتشدد سے حاصل شدہ ٹیکسوں سے قائم شدہ سرکاری سکول، کالج قوم پر بوجھ بھی نہ ہوں اور ان کے فضلاء اور ان کے ڈگری یافتہ معزز اور قابل احترام بھی ہوں۔

دین و دنیا میں تفریق

غور طلب بات یہ ہے کہ دین ودنیا کی تفریق کون کر رہا ہے، دنیوی فنون کے ڈگری یافتہ جس طرح قابل عزت ہیں، علوم دینیہ کے فضلاء جن لوگوں کے نزدیک قابل عزت اور لائق احترام نہیں ہیں تفریق وہ کر رہے ہیں، وہ لوگ ایک وکیل کی خدمت کو قابل احترام سمجھتے ہیں اور اس کو قانون حکومت کا محافظ سمجھتے ہیں مگر ایک ڈاکٹر کو بھی اسی نگاہ عزت سے دیکھتے ہیں ان دونوں میں تفریق نہیں کرتے اگرچہ دونوں نے علیحدہ علیحدہ کالجوں میں تعلیم حاصل کی ہے اور دونوں کے منصب بھی جدا جدا ہیں لیکن دینی مدارس کے فضلاء کا احترام ان لوگوں کے دلوں میں کیوں نہیں ہوتا، چاہیے تو یہی تھا کہ سرکاری مدارس کے فضلاء اور دنیوی فنون کے ماہرین کی طرح مدارس دینیہ کے ان فضلاء کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جاتا کہ ان کو بھی کم سے کم ایسا ہی سمجھا جاتا کہ یہ بھی ایک قومی، دینی ضرورت کو پورا کر رہے ہیں بلکہ اس حیثیت سے اور بھی زیادہ ان لوگوں کو ارباب مدارس دینیہ کا شکر گزار اور ممنون ہونا چاہئے تھا کہ دینی علوم کے تحفظ کی جو ذمہ



داری ہم پر تھی اس کی ادائیگی ان مدارس کے ذریعہ ہو رہی ہے، اگر دنیوی فنون کے ان مختلف کالجوں کی ملک میں ضرورت ہے تو دینی علوم کے تحفظ کی ضرورت کیوں نہیں؟

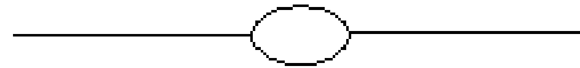
دینی اور دنیوی تعلیم کی درسگاہوں کی یہ دوئی کا طعنہ اور اس کو ختم کر کے جامع درسگاہوں کے قیام کا مطالبہ آج سے تو نہیں بلکہ جب سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالی اور ان کے رفقاء کار نے دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی تھی اسی وقت سے اس کی کوششیں کی جارہی ہیں، ندوۃ العلماء لکھنؤ جس کی بنیاد دارالعلوم دیوبند کے بعد ۱۳ھ میں رکھی گئی اس کا مقصد بھی یہی بتلایا گیا تھا کہ دونوں علوم کے جامع فضلاء تیار کیے جائیں مگر سب نے دیکھ لیا کہ وہاں کے اکثر فضلاء کی توصیف اکبر الہ آبادی کے اس مصرعہ کی مصداق ثابت ہوئی کہ:

؎ اور ندوہ ہے زبان ہوش مند

علوم دینیہ میں مہارت اور عربی دانی

مگر سب جانتے ہیں صرف زبان دانی اور عربی تقریر میں مہارت حاصل کر لینا علوم دینیہ میں فضل و کمال حاصل کرنے کیلئے کافی نہیں اور نہ ہی یہ مہارت دینی مدارس کا موضوع ہے، اہل عرب ان امور میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے باوجود بکثرت علوم دینیہ سے ناواقف ہوتے ہیں، حقیقت میں یہ اعتراض جو زبان زد عوام ہے کہ علوم دینیہ کے ماہرین کو بکثرت تحریر و تقریر پر قدرت نہیں حاصل ہوتی، اصل میں ایسا ہی ہے کہ سرکاری مدارس کے طلباء میں عربی تقریر و تحریر پر قدرت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ سرکاری مدارس کا موضوع بھی یہ تقریر و تحریر سکھلانا نہیں ہے اسی طرح دینی مدارس کا موضوع عربی زبان سکھلانا نہیں ہے یہ اعتراض موضوع سے بالکل غیر متعلق ہے بلکہ علوم دینیہ کی تعلیم ہے۔

اور جتنی عربی زبان ان علوم کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے وہ طلباء علوم دینیہ کو اچھی طرح آتی ہے اس میں ان کا مقابلہ غیر اہل عرب تو کیا خود اہل عرب میں بھی کوئی کوئی عالم کر سکتا ہے اس پر عربی زبان میں ہمارے علماء دیوبند کی تصانیف شاہد عدل ہیں، مگر یہ پروپیگنڈے کی دنیا ہے اور ہمارے علماء کرام نہ اس کو پسند کرتے ہیں اور نہ ان کے پاس اس کا سامان ہی ہے۔



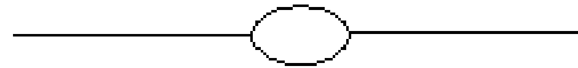
اکابر علماء کی عربی کتب

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف اعلاء السنن ۲۱ جلدوں میں چھ ہزار صفحات پر مشتمل عربی زبان اور حدیثی خدمت کا اس صدی کا وہ شاہکار ہے جس کی تحقیقات کے علاوہ زبان کی تعریف میں عرب کے فضلاء کاملین رطب اللسان ہیں۔ شیخ علامہ زاہد الکوثری مصری نے اس کی بعض جلدوں کو دیکھا تو فرمایا کہ میں اس کو دیکھ کر حیران وششدر رہ گیا۔ حضرت مولانا عثمانی مرحوم کا مقدمہ اصول حدیث کو عرب کے مشہور فاضل علامہ ابوغدہ نے قواعد الحدیث کے نام سے شائع کرا کر حلب کے مدارس کے درس میں داخل کرایا ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح مسلم عربی زبان میں کارنامہ ہے جس کی مثال صدیوں میں مشکل سے ملے گی، یہ شرح تین جلدوں میں حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ لکھ چکے تھے، بعد میں ہمارے محترم عزیز مولانا محمد تقی عثمانی سلمہم نے پانچ جلدوں میں اس کا تکملہ لکھ کر اس کی تکمیل کردی، والحمدللہ علی ذلک۔ جب یہ کتابیں مصر میں پہنچیں تو ترکوں کی سلطنت کے نائب شیخ الاسلام علامہ زاہد الکوثری جو مصر میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے، انہوں نے اپنے مجلّہ میں ارقام فرمایا تھا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ جنہوں نے معارف السنن ترمذی شریف کی مبسوط شرح لکھنی شروع فرمائی، چھ جلدیں لکھی تھیں، جب مصر تشریف لے گئے، اور علامہ طنطاوی کی تفسیر الجواہر پر خود اس کے مصنف سے گفتگو ہوئی، اور اس تفسیر کی اغلاط پر فصیح عربی زبان میں اتنی روانی کے ساتھ ان کو مطلع کیا تو وہ مولانا مرحوم کی زبان دانی اور علوم دینیہ کے استحضار سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا کانک ملك نزل من السماء لاصلاح اغلاطی۔

الشیخ الجلیل حضرت مولانا سیدی خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی بذل المجہود شرح ابوداؤد پانچ ضخیم مجلدات میں، اور حضرت استاذی مولانا محمد ادریس احمد کاندھلویؒ کی شرح مشکوۃ ۷ مجلّات میں اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی شرح مؤطا اوجز المسالک



۱۵ مجلات میں مطبوع اور متداول ہیں اور یہ سب عربی زبان میں ہیں ۔

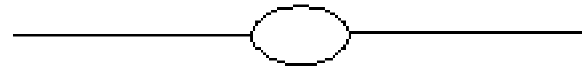
اور جن حضرات نے حدیث کی درسی کتابیں پڑھائی اور پڑھی ہیں ان کی قدر ان کو ہی ہے سطحی طور پر مطالعہ کے ذریعہ کتابوں پر عبور کرنے والوں کو انکی قدر ومنزلت کا کما حقہ علم نہیں ہوسکتا جس شخص نے اس زمانہ میں بخاری شریف پڑھی اور پڑھائی ہو ان کو معلوم ہے کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ نے اسپر عربی میں حاشیہ لکھا اس زمانہ میں حدیث کا ہر طالب علم اور مدرّس اسی سے استفادہ کررہا ہے،شاید ہی کوئی مدرسہ ایسا ہو جو اس سے خالی اور مستفید نہ ہوتا ہو،قریب قریب ایک سواٹھارہ سال سے اس کا فیض عام چلا آرہا ہے،بخاری شریف کے آخری پانچ پاروں کا حاشیہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دارالعلوم دیوبند کا لکھا ہوا ہے۔

یہ چند وہ حضرات علماء اور فضلاء کرام ہیں جنہوں نے عربی دانی کے گہوارے یا کسی ندوۃ العلوم اور جدید درسگاہوں میں عربی زبان کی تحریراً یا تقریراً مشق نہیں کی تھی اور کسی زبان ہوش مند سے عربی کی اصلاح نہیں لی تھی بلکہ اسی فرسودہ نصاب تعلیم کے فیض یافتہ تھے،ان کے علاوہ بھی اسی فرسودہ نصاب سے فیض پانے والوں میں ایک کثیر تعداد ایسے فضلاء کاملین کی ہے جن کی عربی زبان کے ذریعہ دینی خدمات سے عالم عرب ایک جہاں فیض یاب ہورہا ہے اور ان شاء اللہ ہوتا رہے گا۔فضلاء مدارس دینیہ کی عربی زبان پر ایسی وقیع اور رفیع دینی خدمات اور ایسی عربی دانی کے باوجود جن کو دیکھ کر علماء مصر وحلب دنگ وششدر رہ گئے۔

ابوالکلام صاحب مرحوم کی رائے کا تجزیہ

حیرت ہے کہ جناب ابوالکلام صاحب مرحوم کا مدارس دینیہ کے نصاب تعلیم پر یہ تبصرہ اور ماہ فضل وکمال میں کیسے حقیقت پسندانہ قرار دیدیا گیا کہ ۱۴،۱۵ برس تک لڑکے پڑھتے ہیں اور دس سطریں عربی کی صلاحیت کے ساتھ نہیں لکھ سکتے،اگر لکھیں گے تو ایسی عربی ہوگی جس کو ایک عرب پہچان نہ سکے گا ایک بہت بڑا نقص ہے جو ہندوستان میں پیدا ہوا (ص۴۱۴)۔

گذشتہ حقائق کو سامنے رکھ کر اس کو حقیقت پسندانہ تجزیہ قرار دینا مشکل ہی معلوم ہوتا ہے،البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ تبصرہ نگار کے اپنے بلند معیار پر ایسی تحریرات عربی زبان میں ان کی نگاہ



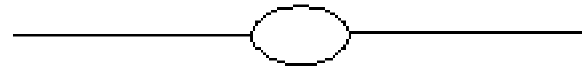
میں نہ آتی ہوں اوران کا معیار کوئی ایسا معجزانہ معیار رہوگا جس پر عربی زبان میں یہ خدمات پوری نہیں اتر سکیں، پھر فاضل تبصرہ نگار کوان خدمات کا مطالعہ ہی میسر نہیں آ سکا ورنہ ایسی خدمات پر مطلع ہو کر ایسی خلاف حقیقت بات منہ سے نکلنی مشکل تھی۔

علماء عرب تو انکی عربی دانی اور کمال علمی کا اعتراف کرتے ہوئے رطب اللسان نظر آتے ہیں، پھر یہ کہ تمام فضلاء کو ایک ہی معیار پر پرکھنے کو حقیقت پسندی نہیں کہا جا سکتا، کسی درس گاہ کے بھی تمام فضلاء ایک ہی معیار پر نہیں اتر سکتے ورنہ پھر امتحان میں نمبروں اور ڈگریوں میں یہ تفاوت کیوں ہوتا ہے۔

ہم اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے کسی معذرت کے بغیر عرض کرتے ہیں کہ قدیم نصاب پر حقیقت پسندانہ تبصرہ نگار کی کوئی دینی تصنیف سلیس عربی زبان میں ہماری نظر سے نہیں گزری جس کو دیکھ کر ایک عرب پہچان سکے، نہ وہ کوئی ایسی درس گاہ بنا سکے جس میں ایسے فضلاء تیار ہوئے ہوں کہ عربوں کی پسند کی عربی میں ان کو مہارت حاصل ہوئی ہو، برخلاف اس کے ہم کتنے علماء کی عربی دانی پر انکی دینی حدیثی خدمات کا حوالہ پیش کر چکے ہیں، اور یہ بھی خیال رہے کہ صرف عربی دانی کوئی کمال نہیں اہل عرب سارے ہی عربی جانتے ہیں تو کیا وہ تمام لوگ باوجود علوم قرآن وحدیث سے ناواقف ہونے کے عربی زبان کیوجہ سے تبصرہ نگار سے بھی افضل ہو گئے ؟صرف زبان دانی مدار فضیلت نہیں بلکہ علوم قرآن وسنت میں اس کے ذریعہ مہارت حاصل کرنا فضیلت کا معیار ہے وہ بحمداللہ نصاب قدیم سے کما حقہ حاصل ہو رہی ہے جس پر ان کی تصانیف شاہد عدل ہیں، اور یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ نقص اور کمال میں تضاد نہیں کہ کمال کے حاصل نہ ہونے سے نقص ثابت ہو جاتا ہو، دنیا میں بہت سے ایسے صاحب علم وفضل ہیں جن کو بعض کمالات کا علم حاصل نہیں ہوتا، ایک جج قانون دان کو ڈاکٹری کا علم نہیں آتا تو کیا یہ اس کیلئے بہت بڑا نقص ہے۔

ایک واقعہ

خلافت کے زمانہ میں انہی تبصرہ نگار صاحب نے کلکتہ میں قومی مدرسہ قائم کیا تھا مگر اس کی صدارت کیلئے اسی دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی خدمات کی ضرورت پیش آئی اور ان کو دعوت



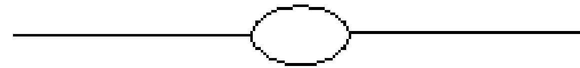
دی گئی، چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ نے اسی فرسودہ نصاب کے پختہ کار اور ماہر استاد حضرت الاستاذ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو تجویز فرما کر وہاں کیلئے روانہ فرمایا تھا اور کچھ عرصہ تک حضرت مدنیؒ وہاں صدر مدرس رہے ایسی خلاف حقیقت بات شاید ہی کسی بڑے آدمی کی زبان وقلم سے نکلی ہو کہ بلا استثناء دینی مدارس کے تمام فضلاء کے بارہ میں کہہ دی گئی کہ ۱۴۔۱۵ برس عربی پڑھنے کے بعد بھی وہ دس سطریں عربی کی صلاحیت کے ساتھ نہیں لکھ سکتے۔ (ص۴۱۴)

اس کو زور زبان وبیان یا زور قلم تو کہہ سکتے ہیں، حقیقت سے اس کو کچھ واسطہ نہیں تمام فضلاء کی طرف ایسی بات منسوب کرنا خلاف حقیقت ہے، اس کا مدار اصل میں تمرین ومشق پر ہے پڑھنے پر نہیں ہے ایسے بہت سے فضلاء مل جاتے ہیں جن کو عربی زبان لکھنے کی تمرین اور مشق نہیں کرائی جاتی پھر بھی وہ عربی زبان کی تحریر وتقریر پر قدرت رکھتے ہیں اور بڑے بڑے مقالے لکھ لیتے ہیں حالانکہ زبان دانی مشق وتمرین پر موقوف ہے۔

مدارس دینیہ کا موضوع اور نصاب

پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ ان مدارس کے موضوع سے یہ بات غیر متعلق ہے اس کے مفید ومحمود ہونے میں کلام نہیں اس لئے سرے سے یہ اعتراض ہی صحیح نہیں کیونکہ یہ عربی دانی اور زبان دانی کے مدارس نہیں، یہ مدارس اس کیلئے موضوع نہیں ہیں یہ ایسا ہی اعتراض ہے کہ جیسے ایک قانون دان جج یا لاء کالج پر کیا جائے کہ اس کو ڈاکٹری کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں ہے ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کے جواب میں تصریح ہے کہ میرے نزدیک درس نظامی کا ہیولیٰ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے متعلمین میں احادیث وشروح احادیث، قرآن وتفاسیر قرآن کے سمجھنے کی اچھی خاصی استعداد پیدا ہو جائے، اس طرح میرے نزدیک موجودہ نصاب کی غرض وغایت یہ نہیں کہ اہل مصر کی طرح پر عربی بولنا آجائے اس ہیولیٰ کو باقی رکھ کر اگر موجودہ نصاب میں ترمیم ہوگی تو صورت کی ترمیم ہوگی نصاب کی حقیقت نہ بدلے گی (ص ۳۵۵)

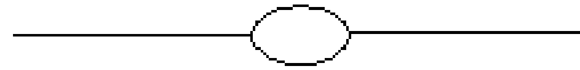
حضرت الاستاذ مرحوم کی رائے گرامی نہایت معتدل مبنی بر انصاف اور حقیقت پسندانہ ہے تقریباً یہی کچھ احقر عرض کرتا چلا آ رہا ہے اب اس نصاب پر یہ اعتراض کرتے چلے جانا کہ



اس سے اہل مصر کی طرح عربی زبان وتحریر نہیں آتی اس کے موضوع سے غیر متعلق ہے اس نصاب کا مقصد اور موضوع قرآن واحادیث کے سمجھنے کی استعداد پیدا کرنا ہے، بحمداللہ تعالیٰ یہ مقصد اس سے حاصل ہورہا ہے،اور اگر اس میں کسی قسم کی کمی آرہی ہے تو ان اسباب پر غور کر کے ان کے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہ اس نصاب کی صورت کی ترمیم ہوگی نصاب کی حقیقت کی تبدیلی نہ ہوگی اور یہ کوشش اس کے مقصد اور موضوع سے متعلق ہوگی اور اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے اس پر عمل ہورہا ہے اب یہ وہ نصاب کہاں رہ گیا ہے کہ جو ابتداء میں تھا اس میں بہت کچھ ترمیمات ہوتی رہی ہیں البتہ اس کا ھیولیٰ وہی رہا آئندہ بھی اس کے موضوع ومقصد کو باقی رکھتے ہوئے اس میں یہ ترمیمات کا سلسلہ جاری رہیگا یہ حرف آخر نہیں بلکہ تجرباتی نصاب ہے اس کو باقاعدہ پڑھ کے بڑے بڑے کملاء اور فضلاء تیار ہوئے ہیں اس کے بالمقابل کئی نصاب بنے مگر اس سے استفادہ کرنے والے فضلاء اس قدر جامع اور قرآن وسنت کے شارح اور خادم نہیں پیدا ہوئے یہ ایک حقیقت ہے اس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا، انکی تصنیفی خدمات قرآن وسنت سے متعلق اس پر گواہ ہیں اور یہ کہنا بھی ناواقفیت پر مبنی ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے درس نظامی میں ترمیم کی بات سننا بھی اکثر لوگوں پر گراں گزرتا تھا (ص ۳۴۹)

تقسیم سے پہلے کئی مرتبہ اس نصاب میں ترمیم ہوئی بلکہ اس کے بالمقابل ندوۃ العلم کا نصاب ہے اور ان کے موافق تعلیم دی گئی مگر یہ قدیم نصاب ان سب نصابوں سے اپنے مقصد میں زیادہ کامیاب ثابت ہوا۔

یہ صحیح ہے کہ یہ حرف آخر نہیں مگر جو چیز حرف آخر نہ ہو کیا ضروری ہے کہ اس کو بدل ہی دیا جائے جب تک اس کی مضرت ثابت نہ ہو اور قدیم نصاب کی مضرت ثابت نہیں ہوئی اور جو نقائص ثابت کئے جارہے ہیں وہ مفید نصاب کے لحاظ سے قابل اعتناء نہیں ہے اور زبان دانی کوئی قابل فخر نہیں البتہ قرآن وسنت کے فہم وتفہیم کا ذریعہ ہونیکی حیثیت سے مطلوب ہونے میں کلام نہیں، مگر جدت پسند جو اعتراض زبان دانی کے نہ آنے سے کررہے ہیں یہ قطعاً اس نصاب کے موضوع سے غیر متعلق ہے۔ (جاری)



مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم کراچی

مسلمانوں کی تعلیمی پالیسی تاریخ کے آئینے میں

جامعہ دارالعلوم کراچی کے پچاس سالہ جلسہ دستار بندی منعقدہ ۲۹رشوال ۱۴۲۰ھ فروری ۲۰۰۰ء میں
افتتاحی خطاب (قسط ا)

دینی مدارس کا تاریخی پس منظر

میں اس وقت دارالعلوم کراچی، دارالعلوم دیوبند اور دینی مدارس کے سلسلے میں کچھ عرض کرنا چاھتا ہوں، میں نے ابھی قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی ہے:

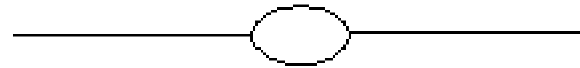
لقدمن اللّٰہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوامن قبل لفی ضلل مبین۔

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رب العلمین نے اس میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد بیان فرمائے ہیں، مجمع علمائے کرام کا ہے، لہذا مجھے اس آیت کی تفسیر بیان کرنے کی ضرورت تو نہیں ہے، لیکن چونکہ حضرات علماء کرام کی برکتوں سے بہرہ ور ہونے کے لئے الحمدللہ شہر کے معززین اور عوام کا بھی بہت بڑا مجمع موجود ہے، اس واسطے اہل علم سے معذرت کے ساتھ، میں اس آیت کی تھوڑی سی تشریح کرتا ہوا آگے بڑھوں گا۔

اس آیت میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد میں سے پہلا مقصد یہ بیان فرمایا گیا کہ یتلوا علیھم ایاتہ یعنی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کام یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائیں اور ظاہر ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ سننے والے بھی ویسا ہی پڑھیں یہ الفاظ قرآن کی تعلیم ہوئی۔

دوسرا مقصد بیان فرمایا ویزکیھم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اخلاق اور اعمال وافعال اور عقائد کا تزکیہ کریں، اصلاح کریں، تزکیہ کا حاصل تربیت ہے۔

تیسرا مقصد یہ بیان فرمایا کہ ویعلمھم الکتاب قرآن کریم کی تعلیم دیں، یعنی قرآن

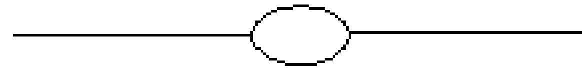


کریم کے معنی سمجھائیں کیونکہ الفاظِ قرآن سکھانے کا ذکر تو یتلوا علیہم ایاتہ میں آ گیا ہے تو ویعلمہم الکتاب کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے مطالب اور معانی اور اس کے حقائق لوگوں کو سمجھائیں، اس کی تعلیم دیں۔

اور چوتھا مقصد یہ بیان فرمایا کہ والحکمۃ لوگوں کو حکمت کی تعلیم دیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سنت کی تعلیم دیں۔ تو چار مقاصد ہوئے: (۱) ایک آیات قرآنیہ کا پڑھنا سکھانا، (۲) دوسرے اعمال واخلاق وعقائد کا تزکیہ کرنا، (۳) تیسرے قرآن کریم کے معانی ومفاہیم اور مطالب سمجھانا، (۴) چوتھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تعلیم دینا۔ یہ چار مقاصد بعثت بیان فرمائے ہیں، دیکھا جائے تو ان چاروں کاموں کا خلاصہ دو کام ہیں یعنی (۱) تعلیم اور (۲) تربیت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم وتربیت کا کام مکہ معظّمہ کی زندگی سے شروع فرما دیا تھا اور بسا اوقات آپ کو روپوش ہو کر پوشیدہ طور پر بھی یہ کام کرنا پڑا۔ دارارقم میں یہ سلسلہ شروع ہوا، اگر کہا جائے کہ اسلامی تعلیم کا سب سے پہلا مرکز دارارقم ہے تو اس لحاظ سے مبالغہ نہیں ہوگا کہ مکی زندگی کا سب سے پہلا تعلیمی مرکز دارارقم تھا۔

صفّہ کا مدرسہ

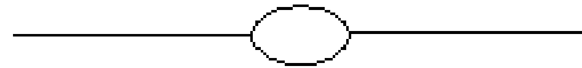
مسجد نبوی ہی کے ایک حصے میں صفّہ نامی ایک چبوترا ہے، اسے مدینہ منورہ میں آپ اسلام کا باقاعدہ مدرسہ سمجھ لیں، ہجرت کے بعد اس صفّے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت زیر تعلیم رہی، ان میں سب سے زیادہ شہرت حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوئی جو یمن سے آئے تھے، اپنے گھر بار اور تمام معاشی مشاغل کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آ پڑے تھے، اور تقریباً یہی حال باقی تمام اصحاب صفّہ کا تھا، جن کا مقصد یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی علم حاصل کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونے سے بھی علم حاصل کریں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تفسیر وتعلیم اپنی زبان سے بھی فرماتے تھے اور اپنے عملی نمونے سے بھی۔ قرآن میں جہاد کا حکم ہے تو جہاد کس طرح کیا جائے، وضو کا حکم ہے تو وضو کس طرح کیا جائے گا، نماز کا حکم ہے تو نماز کیسے



پڑھی جائے گی، زکوۃ کا حکم، روزے کا حکم، اعتکاف کا حکم، قربانی کا حکم، تبلیغ کا حکم، عدالت وانصاف کا حکم، اسلامی حکومت کے قیام کا حکم، عدالتوں اور سیاسی حکومتوں کے معاملات کے احکام، جہاد، صف بندی، دشمنوں کے ساتھ مقابلہ، دوستوں کے ساتھ تعلقات، دشمنوں کے ساتھ معاہدات، خرید وفروخت، معاشی نظام کیسے ہوگا، ان سب قرآنی احکام پر عمل کا نمونہ عملی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا۔ اور یہ سب قرآن کی تفسیر تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے کسی نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات شریفہ کیا تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا کان خلقه القرآن یعنی ان کی عادات وہ تھیں جو قرآن ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ پورے قرآن کا عملی نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تھی، تو اصحاب صفّہ قرآن سے تعلیم حاصل کر رہے تھے جو اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہوا تھا، اور کتابی شکل میں موجود تھا، اور اس کے عملی نمونہ سے تربیت حاصل کر رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں موجود تھا۔ اس مدرسہ کی نصابی کتاب قرآن کریم تھی، استاد تھے تاجدار دوعالم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم، اور شاگرد تھے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم، یہ ایسا بے مثال مدرسہ تھا کہ زمین وآسمان نے ایسا مدرسہ کبھی نہیں دیکھا۔ ایسا استاذ زمین وآسمان نے اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا نہ اس کے بعد کبھی دیکھا، اور نہ دیکھیں گے، اور شاگرد بھی زمین وآسمان نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے بعد ایسے نہیں دیکھے جیسے اس مدرسہ میں زیر تعلیم تھے۔

اصحابِ صفّہ کا حال

اصحاب صفّہ کا حال یہ تھا کہ یہ فکر کئے بغیر کہ کھائیں گے کہاں سے، اللہ پر بھروسہ کر کے تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آپڑے تھے، چنانچہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا، بعض اوقات کئی کئی وقت کے فاقے بھی گزر جاتے تھے، حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ خود فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایسے اوقات بھی گزرے ہیں کہ طویل فاقہ ہوا اور میں مسجد نبوی کے کسی حصے میں بھوک سے نڈھال ہو کر فرش پر پڑا ہوتا تھا، میرے اندر اتنی بھی طاقت نہ ہوتی تھی کہ بیٹھ سکوں، اتنی بھی سکت نہیں تھی کہ لوگوں کو بتا سکوں۔ لوگ سمجھتے تھے کہ میں بے ہوش ہوں، لیکن میں

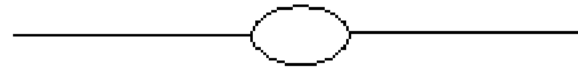


ہوش میں ہوتا تھا،ان کی باتیں سن رہا ہوتا تھا،سمجھ رہا ہوتا تھا،لیکن فاقہ کے ضعف اور کمزوری کی وجہ سے زبان سے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔بعض اوقات اس حالت میں مجھے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے دیکھا تو انہوں نے میرے کھانے کا انتظام کیا۔

اس طرح اللہ پر بھروسہ کر کے،توکل کر کے یہ جماعت صفہ کے اندر آپڑی تھی،ایک ایک وقت میں ان کی تعداد (۸۰) تک بھی رہی،البتہ مدینہ طیّبہ میں جو باقی حضرات صحابہ کرامؓ تھے،ان میں سے زیادہ تر حضرات تو محنت مزدوری میں لگے ہوئے تھے،کچھ حضرات کے کھجوروں کے باغات تھے،اور کچھ حضرات تجارت میں لگے ہوئے تھے،ان کو جیسا بھی ذریعہ معاش حاصل تھا اس میں سے اپنے بال بچوں کو جو روکھی سوکھی کھلاتے تھے اسی میں سے کچھ حصہ اصحاب صفہ تک پہنچادیتے تھے،چنانچہ صفہ کے پاس مسجد نبوی کے دروازے کے طور پر جو دو کھجوروں کے تنے کھڑے ہوئے تھے ان میں مدینے کے کچھ لوگ آ کر کھجوروں کے خوشے لٹکا دیا کرتے تھے تا کہ اصحاب صفہ ان سے بھوک مٹالیں،فقر وفاقے کا زمانہ تھا،یہ فاقہ کش اور بوریہ نشین جماعت تھی ، بلکہ یہ تو ایسی جماعت تھی کہ انہیں بوریا بھی شاید ہی نصیب ہوا ہو۔

صفّہ کے مدرسہ کے فاضلین

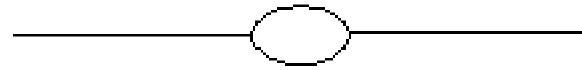
یہ جماعت فارغ التحصیل ہوکر اس مدرسہ سے نکلی تو ایک تاریخ ساز جماعت ثابت ہوئی،صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت سے آپ کی وفات تک کل تیئیس (۲۳) سال کی تعلیم وتربیّت مکہ مکرمہ اور مدینہ میں ملی تھی،صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی اس مقدس جماعت نے ایسے کارنامے دنیا کو دکھائے کہ آج تک دنیا حیران ہے، مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد دس سال کے اندر اندر پورے جزیرہ نمائے عرب پر اس جماعت کی حکمرانی قائم ہوچکی تھی،جب جزیرہ نمائے عرب کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے صرف سعودی عرب مراد نہیں ہوتا، بلکہ اس میں سعودی عرب،بحرین کویت،ابوظہبی،دبئی،شارجہ،قطر،عمان،مسقط اور تمام خلیجی ریاستیں داخل ہیں،یعنی کم وبیش ایک درجن چھوٹے بڑے ممالک اور ریاستوں کے مجموعے کا نام ,,جزیرہ نمائے عرب،، ہے۔



اس جزیرہ نمائے عرب پر صفہ کے مدرسہ کے اسی استاذ اور معلم کی حکمرانی تھی جو پیٹ پر دو پتھر باندھ کر کبھی نماز کی امامت کرتا تھا اور کبھی میدان جہاد میں اللہ کے راستے کے شیدائیوں کی قیادت فرماتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمرانی اس پورے جزیرہ نمائے عرب پر قائم تھی، اور صحابہ کرامؓ ہی کی مقدس جماعت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگرد تھی، یہی آپ کے اعوان وانصار تھے۔ ہجرت کے سال سے مدینہ طیبہ میں اسلامی حکومت کا آغاز ہوا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دور: دس سال بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، صحابہ کرامؓ کا دور حکمرانی آیا، تیس سال وہ مقدس خلافت راشدہ قائم رہی جس نے دنیا پر مثالی سیاست وحکومت کے ان مٹ نقوش چھوڑے، اس نے عدل وانصاف، امن وامان، اور علم وحکمت کے میدانوں میں عظیم الشان کارنامے انجام دیئے، دنیا کو یہ بتلایا کہ کامیاب حکومت اور ایک عظیم الشان فلاحی ریاست کا نمونہ کیا ہوتا ہے؟ یہ خلافتِ راشدہ کا مقدس دور ہے، اس دور میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے لوگوں کے دلوں کو جیتا اور جہاں چلے گئے دشمن اقوام نے اپنے دروازے ان کے لئے کھول دیئے، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ علم وحکمت کے مینار، یہ انصاف قائم کرنے والے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہمارے ملک میں باپ جیسی محبت کرنے والے حکمران بن کر آرہے ہیں، یہ عدل وانصاف کے جو نمونے پیچھے قائم کرتے چلے آرہے ہیں، ہمارے ملکوں میں اور ہمارے علاقوں میں بھی قائم کریں گے۔

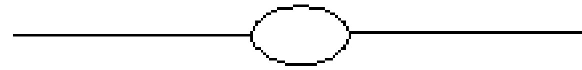
اسلام تلوار کے بجائے حقانیت کے زور سے پھیلا ہے: یہ ہمارے دشمنوں کا پروپیگنڈہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ہے کہ عہد رسالت یا عہدِ صحابہ میں کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کے لئے اس کی گردن پر تلوار رکھ کر یہ کہا گیا ہو کہ کلمہ لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھو، اسلام میں۔ لا اکراہ فی الدین کا اعلان ہے کہ دین میں کوئی اکراہ یا زبردستی نہیں ہوسکتی، حق اور باطل تمہارے سامنے کھل کر آگیا ہے، جس کا جی چاہے حق کو اختیار کر کے جنّت کا رہائشی بن جائے، اور جس کا جی چاہے باطل پر جما رہے اور جہنم کا ایندھن بن جائے۔ بہرحال اسلام میں زبردستی نہیں ہے کہ تم ضرور اسلام لاؤ، اور کلمۂ توحید پڑھو، ہاں تبلیغ



ہے، تعلیم ہے، جو چاہے اس تبلیغ و تعلیم کو قبول کرلے، اور جو چاہے باطل پر جما رہے۔

خیر! یہ مقدس جماعت تبلیغ کے لئے اور اللہ کا پیغام دنیا کو پہنچانے کے لئے جزیرہ نمائے عرب سے نکلی اور جہاں جہاں ظالم و جابر بادشاہ ہوں اور حکمرانوں نے اس تبلیغ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں ان کو دعوت اسلام دی، اور جزیہ کی شرط پر مصالحت کی پیشکش کی، جنہوں نے مصالحت کی اس پیشکش کو بھی نہ مانا، ان سے جہاد کیا گیا۔ اللہ تعالی نے صحابہ کرامؓ کے بازوں میں وہ طاقت دی تھی، ان کی تلواروں میں وہ تیزی رکھی تھی کہ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں کے اندر قیصر و کسریٰ کی طاغوتی طاقت کا یعنی دنیا کی دونوں ظالم سپر طاقتوں کا خاتمہ کردیا، اور دنیا کو ان کے مظالم سے نجات دلاکر وہاں اسلام کا عدل و انصاف قائم کیا، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تو اسلام یہاں مکران کے قریب تک آچکا تھا۔ ادھر آذربائیجان قفقاز کے ممالک فتح ہوچکے تھے اور افریقہ کے بہت سارے ممالک اسلام کے زیر نگین آچکے تھے، تقریباً پچیس سال کے عرصے میں یہ انقلاب رونما ہوگیا تھا کہ دنیا کی دو سپر طاقتوں کا خاتمہ کرکے اسلام دنیا کی واحد سپر طاقت بن چکا تھا، لیکن یہ صرف تلوار کے زور سے نہیں بلکہ حقانیت کے زور سے ہوا، علم و حکمت اور مثالی اخلاق کی بنیادوں پر انصاف اور انسانیت کے رکھوالوں نے اپنے حسین کردار کے عملی نمونے قائم کرکے دکھلائے تھے، یہی وجہ ہے کہ انہیں بہت زیادہ طاقت بھی استعمال نہیں کرنی پڑی، زیادہ تر وہیں کے عوام نے مجاہدین کے لئے راستے کھولے، اپنے جابر و ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرکے ان کا استقبال کیا، اور ان مسلمانوں کو اپنا سرتاج بنایا، اس طرح اسلام وہاں لوگوں کی رضا اور رغبت سے پھیلتا گیا۔

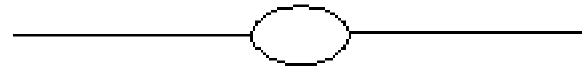
یہ اسلام پھیلانے والے کون تھے؟ وہی دار ارقم اور صفہ کے فاقہ مست بوریا نشین طلبا اور فارغ التحصیل علماء، جو جزیرہ نمائے عرب سے نکلے تو اس وقت اونٹوں کی مہاریں ان کے ہاتھوں میں تھیں، لیکن چند ہی سال بعد دنیا نے دیکھا کہ قوموں کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں آگئی، اور اسلام دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن گیا۔ یہ فیض تھا اس درسگاہ کا اور اس کے معلّم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ آپ نے ایک ایسی مقدس جماعت تیار کردی تھی جن کو دیکھ دیکھ کر لوگ مشرف بہ اسلام ہو رہے تھے۔



مالدیپ اور مالابار میں اسلام کیسے پھیلا؟: عام طور پر یہ مشہور ہے کہ ہندوستان میں اسلام سب سے پہلے سندھ کے علاقے میں آیا، لیکن تاریخی حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہندوستان میں سب سے پہلے مالابار میں آیا جو اب بھارت کے جنوبی صوبے کرالہ کا بڑا ساحلی علاقہ ہے، تاریخ فرشتہ کے بیان کے مطابق تجارت کے سلسلے میں عربوں کی آمدورفت پہلے ہی سے مالابار میں تھی، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا حال مالابار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے میں لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا، اس زمانے میں مالابار کا راجہ زمون یا ,,سامری،، کے نام سے مشہور تھا، اس راجہ نے معجزہ ,,شق القمر،، کو دیکھ کر اس عجیب واقعہ کے متعلق تحقیق شروع کی اور اس واقعے کو بطور یادداشت سرکاری روزنامچے میں درج کرایا، بالآخر اسے معلوم ہوا کہ سرزمین عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوئے، اور ان کے ہاتھوں یہ معجزہ رونما ہوا ہے، یہ سن کر راجہ نے اسلام قبول کر لیا، اور تخت وسلطنت اپنے ولیءعہد کو سپرد کر کے خود کشتی کے ذریعے سرزمین عرب کی طرف روانہ ہوا، لیکن راستے ہی میں وفات پائی اور یمن کے ساحلی علاقے میں مدفون ہوا۔

پھر عرب تاجروں کے ذریعے مالابار میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا، اسلام نے اس لئے اور بھی تیز رفتار ترقی کی کہ عرب مسلمانوں کے کریمانہ اخلاق، ہمدردی اور سب کے لئے خیر خواہی، رحم دلی، سچائی اور رواداری نے ان کے دل جیت لئے۔ وہ ذات پات کی بندشوں کو دور کر کے مظلوم ومغلوب انسانوں کے لئے ابر رحمت ثابت ہوئے، ان کی تجارت نے اس ملک کی ترقی کا سامان کیا۔ چنانچہ مالابار کا ایک اور راجہ جس کا نام ,,عجائب الانظار،، کی روایت کے مطابق چیرامن پیرومل تھا، دوسری صدی ہجری کے اوائل میں چند مسلمان سیاحوں کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو گیا، اس نے انتقال کے وقت وصیت کی کہ مالابار میں تبلیغ اسلامی کا کام پوری مستعدی سے وسیع پیمانے پر جاری کیا جائے۔ جس کے سبب راجہ کی قوم کے آدمی، بکثرت اسلام میں داخل ہوئے۔ اور اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔

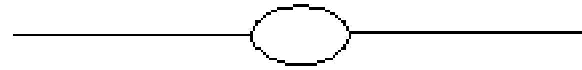
تقریباً مالدیپ کا پورا ملک جس میں سراندیپ بھی داخل ہے اسلام کے زیر نگین آیا، اسلام کی عظیم الشان حکومت وہاں قائم ہوئی، وہی مالدیپ جس کا دارالحکومت آج بھی مالے کے



نام سے ہے اور سری لنکا اور کولمبو جاتے ہوئے اس کا ایئرپورٹ راستے میں پڑتا ہے، یہ کئی جزائر کا مجموعہ ہے، وہاں اسلام کس طرح پھیلا؟ یہاں اسلام پھیلانے والے بھی وہ مسلمان تاجر تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں یا شاگردوں کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی تھی، یہ لوگ تجارت کے لئے سراندیپ اور مالدیپ میں آکرآباد ہوئے، یہاں ساری آبادی مشرکین کی تھی، حکومت بھی مشرکین کی تھی، انہوں نے تجارت کا کام شروع کیا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد لوگوں نے دیکھا کہ ان کے حالات کچھ اور ہیں، ان کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، ان کی رفتار، گفتار اور کردار، ان کی تجارت، ہر چیز ہم سے مختلف اور نرالی ہے، لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ مسلمان بھی وہی مال تجارت لے کر اسی بازار میں بیٹھتے ہیں اور مقامی لوگوں کے پاس بھی وہی مال تجارت ہے، مگر کاروبار مسلمانوں کا بڑھتا ہے ان کا نہیں بڑھتا، رفتہ رفتہ لوگوں نے ملنا جلنا شروع کیا، حالات پوچھے، انہوں نے اسلام کا تعارف کرایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ سراندیپ اور مالدیپ میں ان مسلمانوں کو دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہونا شروع ہوگئے، حتیٰ کہ بادشاہ بھی مسلمان ہوا، اور اہل دربار بھی مسلمان ہوگئے، اور تھوڑے ہی عرصہ میں لوگوں نے یہ تماشا دیکھا کہ وہ کفرستان اسلامستان میں بدل گیا، یہاں کوئی لشکر کشی نہیں ہوئی، حتیٰ کہ تبلیغ کے قافلے بھی یہاں نہیں پہنچے تھے، یہاں تو تاجر پہنچے تھے، جو اسلام کا پیغام بھی ساتھ لائے تھے ان کا عملی نمونہ دیکھ دیکھ کر لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے چلے گئے۔ اس کے بعد مسلمان تاجروں اور سیاحوں کے ذریعے اسلام بحرالکاہل کے ممالک جاوا، سماٹرا (انڈونیشیا)، سنگاپور، ملایا (ملائشیا) وغیرہ کو طے کرتا ہوا جنوبی چین تک جا پہنچا، ان ممالک میں اسلام کا داخلہ محض تبلیغی طریقوں سے ہوا، جنگ وجہاد کا اس میں دخل نہ تھا، یہ کرامت تھی اس درسگاہ کی جس کے مبلغین یہ فارغ التحصیل تھے یا ان کے شاگرد تھے۔ الحمدللہ دارارقم اور اصحاب صفہ سے جو طریقہ شروع ہوا تھا اس کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔

حکمت کی بات مومن کی گمشدہ متاع ہے: اس سلسلے میں ان کو جو تعلیم ملی تھی اس تعلیم کا ایک اصول یہ بھی تھا کہ کلمة الحکمة ضالة المؤمن یعنی حکمت کی ہر بات مومن کی گمشدہ



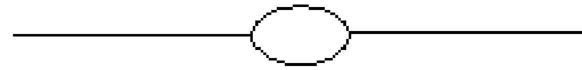
متاع ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حق بات، حکمت اور دانائی کی بات جہاں سے ملے، وہ تمہاری اپنی چیز ہے، وہ جہاں سے ملے تم اسے لے لو، چاہے وہ کافر سے ملے، اپنوں سے ملے، یا دشمنوں سے ملے، اس کو اپنا لو، یہ ایک بنیادی نکتہ تھا، چنانچہ بعد میں جب مسلمانوں کی فتوحات پھیلیں، اسلام ایران وعراق، مصر وشام، افریقہ، اندلس اور دوسرے ممالک میں پہنچا تو وہاں کی تہذیبوں سے بھی واسطہ پڑا، وہاں کی سائنس اور ٹیکنالوجی بھی ان کے سامنے آئی، فلسفے بھی سامنے آئے، وہاں کی طب بھی ان کے سامنے آئی اور انہوں نے ان علوم وفنون کو بھی اپنایا۔

یونانی فلسفہ

یونان کا فلسفہ اسلامی عقائد سے ٹکرا رہا تھا، علمائے اسلام اور مسلم حکمرانوں نے یونانی فلسفے کے عربی میں ترجمے کرائے اور اس میں بھی انہوں نے وہ مہارت حاصل کی کہ خود عظیم الشان فلسفی بن گئے، اور اس فلسفے میں جو باتیں اسلامی عقائد سے متصادم تھیں، فلسفانہ دلائل ہی سے ان کا قلع قمع کیا، ارسطو کی ایجاد کردہ منطق ہی سے کام لے کر، اور یونانی فلاسفروں کے طریقۂ استدلال ہی کو استعمال کر کے ثابت کیا کہ فلسفے کے دلائل کا تقاضا وہ مفروضات نہیں جو ارسطو اور افلاطون نے اختیار کیے تھے، بلکہ عقلی دلائل ان عقائد کی گواہی دیتے ہیں جن کا پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ غرض! امام رازی اور امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہما) جیسے علمائے دین اور حکمائے اسلام نے فلسفے کو شرف بہ اسلام کیا۔

ثابت شدہ سائنسی حقائق کبھی اسلام سے نہیں ٹکراتے

سائنسی حقائق کبھی اسلام سے نہیں ٹکرائے، اور اسلام کبھی سائنسی حقائق سے نہیں ٹکرایا، جب کبھی اسلام کا تصادم ہوا فلسفوں سے ہی ہوا، اور الحمدللہ علمائے اسلام نے فلسفوں کو سمجھ کر ان کے دلائل کو سمجھ کر، ان کے طرز استدلال کو اختیار کر کے انہی کے دلائل سے اور انہی کے طرز استدلال سے ان کے باطل نظریات کا قلع قمع کیا۔ امام فخر الدین رازی اور امام غزالی رحمہما اللہ کی مثالیں اس سلسلے میں واضح ہیں، یہ سلسلہ چلتا رہا، ہر زمانے کے علوم وفنون کو اس زمانے کے حکمائے اسلام اور علمائے کرام اپناتے رہے۔ ان کی اصلاح کرتے اور ان کو ترقی دیتے رہے۔

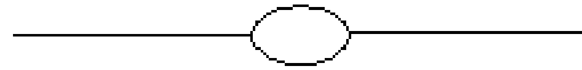


اسلامی نظام تعلیم میں دین و دنیا کی تفریق نہیں ہوتی

اسلامی نظام تعلیم میں دوئی نہیں تھی، ایسا نہیں تھا کہ دین کی تعلیم الگ درسگاہوں میں ہوتی ہو، دنیاوی عصری علوم وفنون کی تعلیم الگ درسگاہوں میں ہوتی ہو۔ ہر قسم کے علوم وفنون کی تعلیم ایک ہی درسگاہ میں ہوتی تھی، پھر ان میں سے بعض لوگ تمام علوم وفنون میں مہارت پیدا کرتے تھے، اور بہت سے حضرات ایسے تھے کہ ان میں سے کسی نے علم حدیث میں مہارت پیدا کی، جیسا کہ ائمہ حدیث میں امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داود، امام ترمذی، امام نسائی، اور دوسرے محدثین کرام کہ انہوں نے علم حدیث میں کمال پیدا کیا، کچھ حضرات نے علم فقہ میں کمال پیدا کیا، جیسے امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد امام مالکؒ اور ان کے شاگرد امام شافعیؒ اور ان کے شاگرد امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے شاگرد، وغیرہم، بہت سوں نے فقہ علم کلام اور فلسفے میں ایک ساتھ کمال پیدا کیا، جیسے امام غزالی رحمہ اللہ۔ بہت سوں نے تفسیر میں کمال پیدا کیا جیسا کہ ہمارے بہت سے مفسرین کرام ہیں، اور ان میں سے امام رازیؒ کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ وہ فلسفے اور حکمت کے امام ہونے کے ساتھ تفسیر کے بھی امام ہیں تو اس میں مبالغہ نہیں ہوگا، تو کچھ حضرات نے خاص خاص علوم وفنون میں تخصصات کئے، لیکن وہ اپنے زمانے کے دوسرے علوم وفنون سے بھی بہرہ ور ہوتے تھے، چاہے وہ دینی علوم ہوں یا دنیاوی علوم، کیونکہ اسلام میں تو دین اور دنیا کی تفریق ہے ہی نہیں، ایک اچھا مسلمان دنیاوی علوم وفنون بھی اللہ کی رضا اور مخلوق خدا کی خدمت اور ملک وملت کے فوائد کے لئے ہی حاصل کرتا ہے، اس واسطے دنیاوی علوم وفنون کا ثواب بھی وہی ہوتا ہے جو اسلامی علوم کا ہے۔

منطق کی کتاب قطبی پڑھ کر ایصالِ ثواب

میں نے بعض بزرگوں سے یہ واقعہ سنا ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ، جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ جیسے بزرگوں کے استاذ تھے، ایک دن دارالعلوم دیوبند میں قطبی کا سبق پڑھا رہے تھے، یہ منطق کی کتاب ہے، ارسطو کی منطق، جس میں دین وایمان کے نام کی کوئی چیز نہیں ہے، خالص فنی کتاب ہے، حساب اور ریاضی کی طرح منطق



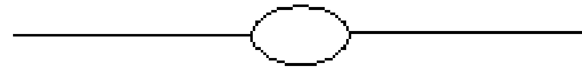
بھی ایک فن ہے ،اور مفید فن ہے ،قطبی کے سبق کے دوران ہی کسی نے آ کر درخواست کی کہ حضرت میرے فلاں رشتہ دار کا انتقال ہوگیا ہے،ایصال ثواب کرادیں تو فرمایا ٹھیک ہے ۔جب منطق کا سبق ختم ہوا تو طلباء سے کہا کہ ہم جس نیت سے حدیث اور فقہ پڑھاتے ہیں،اسی نیت سے منطق بھی پڑھاتے ہیں،اس لئے ہمارا منطق پڑھنا پڑھانا بھی ایک عبادت ہے تم نے جو سبق پڑھا ہے،اس کا ثواب فلاں کے والد کو پہنچادو۔

اسلام میں دین ودنیا کی تفریق ہی نہیں،تعلیم کے اندر بھی یہ خلیجیں نہیں تھیں کہ یہ دنیاوی تعلیم کی درسگاہیں ہیں،وہ دینی تعلیم کی درسگاہیں،البتہ دنیاوی تعلیم کی درسگاہیں بھی دینی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں،وہاں سے ابوریحان البیرونی اوران جیسے دوسرے عظیم فلاسفر وحکماء اور اس وقت کے سائنس دان پیدا ہوئے تو وہ بھی علم حدیث،علم تفسیر،عربی زبان،فقہ اور اصول فقہ وغیرہ سے بے بہرہ نہیں تھے،بلکہ وہ ان کا بھی وافر علم رکھتے تھے،اس وقت کے مسلمانوں میں فلاسفر بھی تھے،سائنسدان اور اطباء بھی تھے،جغرافیہ، ریاضی،علم ہیئت ،اور فلکیات کے ماہرین بھی تھے جو دینی علوم سے بھی بہرہ ور تھے،لیکن سارے کے سارے سرکاری تعلیمی ادارے دینی رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے تھے۔

ہندوستان میں بھی مسلمانوں کے دور میں نظام تعلیم وہی چل رہا تھا،یہاں کی سرکاری زبان فارسی تھی،اس زمانے کی سائنس اور دوسرے دنیاوی علوم ہمارے ہندوستان کے تمام مدارس میں رائج تھے،اوراس وقت کے علماء ان تمام مضامین کو یعنی انجینئرنگ (علم الہندسہ)، حساب،الجبرا،جیومیٹری،علم ہیئت اور فلکیات،جغرافیہ اور طب وغیرہ کو اپنے دینی مدارس میں پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔

مسلمانوں کے جامع نظام تعلیم کا زوال

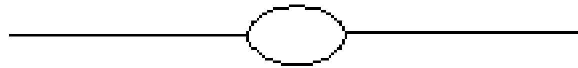
لیکن ہماری شامت اعمال رنگ لائی اور ہماری محکومیت کا دور شروع ہوا،جب انگریز اپنی مکاری اور دھوکہ بازی کے ساتھ تاجروں کے بھیس میں لیٹرے بن کر اور برصغیر پرعذاب بن کر نازل ہوئے انہوں نے اپنی چال بازیوں سے ہندوستان کی زمینوں پر قبضے کرنے شروع



کئے اور رفتہ رفتہ چالبازیوں کے ذریعے اپنے قدم جماتے چلے گئے کیونکہ اس زمانے میں ہمارے حکمران وہ سبق بھول چکے تھے، جو قرآن وسنت اور خلفائے راشدین نے امت کو دیا تھا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، اور قتیبہ بن مسلم باہلیؒ اور دوسرے تمام بزرگان دین نے جو کچھ سکھلایا تھا وہ اسے بھی قصہ پارینہ بنا چکے تھے شخصی حکومت کی وجہ سے وہ عیاشی اور طرح طرح کی آرام طلبیوں میں گھر گئے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی افواج کا جو سیلاب آیا اس میں وہ خس وخاشاک کی طرح بہتے چلے گئے۔

۱۸۵۷ء کا جہاد آزادی

اس وقت کے علمائے کرام اور مشائخ عظام نے آخر وقت تک انگریزی حکومت اور انگریزی فوج کا بھرپور مقابلہ کیا، اس سلسلے کی آخری کوشش ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ ظفر مرحوم کے دور میں ہوئی، یہ مغل دور کے آخری بادشاہ تھے، مگر ان کی حکومت صرف دہلی کے لال قلعہ تک محدود ہوکر رہ گئی تھی، باقی تقریباً سارے ملک پر انگریز کی حکومت قائم ہوچکی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں جہاد آزادی کی تحریک اٹھی اور وہی مقدس جماعت جو دارارقم اور صفہ کے تعلیم یافتہ صحابہ کرام کی پیروی کررہی تھی، وہی بوریا نشین ملا وہی مسجدوں کے امام، وہی خانقاہوں کے پیشوا، میدان میں آئے، ان میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تھے، جنہوں نے بعد میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی، اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ، حضرت حافظ ضامن شہیدؒ اور دوسرے علماء دین اس جہاد میں پیش پیش تھے، ان حضرات نے تھانہ بھون کے پاس انگریزی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جہاد آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن ہمارے اوپر اللہ تعالی کی طرف سے آزمائشوں کا وقت آیا ہوا تھا، اور ہمیں اپنے کئے کی سزائیں ملنے والی تھیں، اپنے ہی بعض مسلمانوں کی غداریوں کی وجہ سے یہ تحریک آزادی شکست سے دوچار ہوئی، اور ہندوستان میں دہلی کے چوراہوں پر پھانسی کے پھندے لٹکائے گئے اور علمائے حق کو ان پر پھانسیاں دے دے کر شہید کیا گیا۔ انگریزوں کی طرف سے ہندوستان کے طول وعرض میں وحشت وبربریت کا جو دور مسلمانوں پر آیا وہ تاریخ کا ایک المناک باب ہے، جلیانوالہ باغ کے دلدوز مناظر آج بھی تاریخ کو یاد ہیں۔



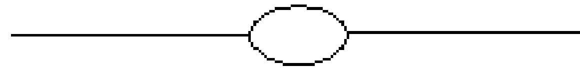
مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی ایک اور خطرناک چال

انگریزی حکومت پورے کروفر کے ساتھ پورے برصغیر پر قابض ہوگئی، یہ چالباز اور دھوکہ باز حکومت تھی، شروع شروع میں ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، علمائے حق کو پھانسیوں پر لٹکایا، اس کے بعد انہوں نے امن کا لباس پہنا تمدن کا لباس پہنا، اپنے بھیڑیے پن کو کوٹ پتلون میں چھپانے کی کوشش کی، اور ایسی تدبیریں شروع کیں جس سے مسلمان اپنے قرآن پاک کو بھول جائیں، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول جائیں اپنے دین کو فراموش کر کے ایک غلام قوم کے طور پر ان کے تابع فرمان ہو جائیں۔

انہیں ہندوؤں سے کوئی خطرہ نہیں تھا، انہیں سب سے بڑا خطرہ مسلمانوں سے تھا، کیونکہ یہ قوم حکمرانی تو جانتی تھی، محکومی اور غلامی سے نا آشنا تھی یہ انگریزی حکومت کو دل سے قبول کرنے والی قوم نہیں تھی، مسلمانوں کو قابو میں لانے اور ان پر اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کے لئے دینی مدارس کو بے اثر کر دینا انگریزوں کی سیاسی ضرورت تھی، انہوں نے دینی مدارس پر فوج کشی نہیں کی، بلکہ انہوں نے سب سے پہلے یہ کیا کہ ہندوستان کے سرکاری دفاتر سے فارسی زبان کو ختم کر کے انگریزی زبان مسلط کر دی، جس کا نتیجہ رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ جب اس ملک کے باشندے سرکاری دفاتر میں پہنچتے تو وہ سرکار کی نظروں میں ان پڑھ اور جاہل تھے، چاہے وہ کتنے ہی اونچے درجے کے تعلیم یافتہ ہوں، مگر صرف انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے سرکاری اداروں میں وہ جاہل اور ان پڑھ قرار دے دئے گئے، وہ سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے لئے سرکاری اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخل کرانے پر مجبور ہو گئے، جہاں ایک اجنبی قوم کی زبان اور اجنبی تہذیب و معاشرت کی حکمرانی تھی اور اسلامی تعلیمات کا داخلہ ممنوع تھا۔

اسلام کسی قوم کی زبان سیکھنے سے منع نہیں کرتا

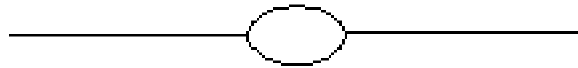
اسلام کسی قوم کی زبان سیکھنے سے منع نہیں کرتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہودیوں کی زبان سیکھنے کا حکم دیا، اور چند ہی دنوں میں حضرت زید ابن ثابتؓ نے یہودی زبان میں مہارت پیدا کر لی، چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے



ترجمان تھے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کو خط بھیجتے تو یہودیوں کی زبان میں ان سے لکھواتے تھے، اور جب یہودیوں کا خط آتا تو حضرت زید بن ثابتؓ اس کا ترجمہ عربی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرتے تھے۔ اسلام کسی زبان کا دشمن نہیں ہے۔

انگریزی زبان مسلمانوں پر سیاسی حربے کے طور پر مسلط کی گئی: اسلام انگریزی زبان کا بھی دشمن نہیں، لیکن اس وقت تو مسلمانوں پر انگریزی زبان ایک سیاسی حربے کے طور پر مسلط کی جارہی تھی، اسلام کو نظام تعلیم اور نصاب تعلیم سے خارج کر دیا گیا تھا، تا کہ مسلمانوں کی نئی نسل اپنی اسلامی روایات اور اپنے ماضی سے رشتہ توڑ کر اپنا قبلہ یورپ اور انگلستان کو بنالے، اور جسمانی محکومیت کے ساتھ ذہنی غلامی کا طوق بھی اپنے گلوں میں ڈال لے، چنانچہ اس زمانے میں ہمارے بزرگوں نے یہی کہا کہ سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں اپنے بچوں کو داخل نہ کرو، اس لئے کہ ان سکولوں میں نظام تعلیم سیکولر تھا، اس میں زبان بھی اجنبی، تہذیب و تمدن بھی دوسرے، روایات وآثار بھی دوسری قوم کے۔ خلاصہ یہ کہ ایک غلام قوم تیار کرنے کے لئے جس تعلیم وتربیت کی ضرورت تھی، وہ پوری طرح ان سکولوں اور کالجوں میں مہیا کر دی گئی تھی۔

مرحوم اکبرالہ آبادی کا شعر اکبرالہ آبادی نے اس صورتحال کو دیکھا کہ انگریز مسلمانوں کے بچوں کو قتل تو نہیں کر رہا لیکن سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں داخل کر کے اپنا بنایا ہوا نصاب اپنے بنائے ہوئے سیکولر ماحول میں پڑھا کر ان بچوں کو ذہنی طور اپنا غلام بنا رہا ہے، تا کہ نئی نسل سے ہمیں کوئی خطرہ باقی نہ رہے اکبرالہ آبادی مرحوم نے اس تعلیمی پالیسی پر اپنے ایک شعر میں خوب تبصرہ کیا ہے فرعون کو جادوگروں یا کسی خواب دیکھنے والے نے یہ بتلایا تھا کہ بنی اسرائیل میں کوئی لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت کا خاتمہ کردے گا تو اس نے یہ حکم دے دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جولڑکا بھی پیدا ہوا سکو قتل کر دیا جاۓ تا کہ فرعون کی فرعونیت کے لیے کوئی خطرہ باقی نہ رہے فرعون نے نومولود بچوں کو قتل کیا اور اتنا بدنام ہوا کہ آج تک اس کے اس ظلم کا چرچا زبانوں پر ہے لیکن اللہ تعالی کو کچھ اور منظور تھا اللہ تعالی نے اسی کے ہاتھوں حضرت موسی علیہ السلام کی پرورش کرائی پھر حضرت موسی علیہ السلام ہی نے اس کی حکومت کا خاتمہ بھی کیا فرعون کو جو



بدنامی اٹھانا پڑی وہ الگ رہی تو اکبرالہ آبادی مرحوم فرعون کے عمل اور انگریزوں کی تعلیمی پالیسی کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

مطلب یہ تھا کہ فرعون نے بچوں کا قتل عام کیا، تاکہ ان میں سے کوئی اس کی حکمرانی کے لیے خطرہ نہ بن جائے انگریزوں نے قتل عام کرکے بدنامی تو مول نہیں لی لیکن اسکول اور کالج کھول کر ایک ایسا نظام تعلیم رائج کر دیا جس سے ہندوستانی مسلمانوں کی نسلیں غلامی کی خوگر ہو جائیں یہ درحقیقت ان کا نظریاتی اور اخلاقی قتل عام تھا تو اکبرالہ آبادی مرحوم فرماتے ہیں کہ۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

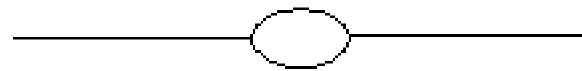
یعنی فرعون بھی اگر قتل کے بجائے ایسے ہی اسکول کھول لیتا اور ایسے ہی کالج کھول لیتا جیسے انگریزوں نے کھولے ہیں تو قتل کی بدنامی اس کے حصے میں نہ آتی اور بنی اسرائیل کو محکوم بنائے رکھنے کا مقصد حاصل ہو جاتا۔

انگریزوں نے یہ چالبازی کی کہ قتل عام تلوار سے تو نہیں کیا لیکن نظام تعلیم کے ذریعے نظریاتی قتل عام کیا اس صورتحال کو کسی اور شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے کہ۔

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

علماء نے انگریزوں کے اسکولوں کی مخالفت کیوں کی

ہمارے علمائے کرام نے اس وقت مسلمان بچوں کو سرکاری اسکولوں میں داخلے سے روکا آج یہ طعنہ دیا جاتا اور اعتراض کیا جاتا ہے کہ علماء جدید علم اور حکمت کے خلاف ہیں سائنس اور ٹیکنالوجی کو برا سمجھتے ہیں یہ بالکل واقعات کے خلاف بہت ہی بھونڈہ الزام ہے علماء نے سائنس اور ٹیکنالوجی یا عصری علوم کی کبھی مخالفت نہیں کی ،علم وفن کی کبھی مخالفت نہیں کی ، بلکہ ہمیشہ علم وفن کی سرپرستی اور قدردانی کرتے رہے اور علم وفن کو ترقی دینے میں کوشاں رہے میں پیچھے کہہ چکا ہوں کہ علماء دین کے پاس تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سبق موجود ہے کہ(کلمة الحکمة ضالة المومن) یعنی حکمت کی بات مومن کی متاع گم شدہ ہے یورپ اور انگلینڈ سے جو سائنس

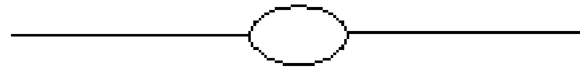


اور ٹیکنالوجی آرہی تھی علماء اس کی مخالفت نہیں کررہے تھے اور نہ آج کررہے ہیں مخالفت اس ماحول کی اور اس خاص نصاب ونظام کی کررہے تھے جو اسکولوں اور کالجوں میں مسلمان بچوں کو ذہنی طور پر غلام بنانے کے لئے تیار کیا گیا تھا اور انگریزی زبان کی مخالفت بھی اس وجہ سے کررہے تھے کہ وہ انگریزی کو مسلمانوں کی قومی وسرکاری زبان فارسی کی جگہ رائج کرکے مسلمانوں کا رشتہ ان کی قومی روایات سے ان کی تاریخ سے اور ان کے شاندار ماضی سے توڑنا چاہتے تھے جدید علم وحکمت کی علماء نے کبھی مخالفت نہیں کی اسکول وکالج کھلتے گئے ملازمتیں انہی کی ڈگریوں کی بنیاد پر ملنے لگیں اور جس کے پاس وہ بے روزگار رہا بے عزت ہوا اور ان پڑھ کہلایا ادھر ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے اپنے حربے استعمال کرنے شروع کردیئے انگریزوں نے بھی اپنے عیسائی مبلغین بلاکر یہاں کے مسلمانوں کو طرح طرح کے لالچ دے کر ان کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنا شروع کیا۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام

ان حالات میں اس بات کا شدید خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں اس دور محکومی میں اسلامی علم وحکمت قرآن وحدیث فقہ اصول فقہ تفسیر اور تمام اسلامی علوم کی وہ میراث جو دینی مدارس کے ذریعے تیرہ سو سال سے اب تک محفوظ چلی آرہی تھی وہ ہمارے ہاتھوں سے نہ جاتی رہے اس وقت ہمارے بزرگوں نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی جس میں سب سے آگے مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ہیں انہوں نے سوچا کہ ہم کم ازکم اسلامی علوم کو اور اسلامی اقتدار کے زمانے میں علم وحکمت کے جو دوسرے شعبے تھے مثلاً حساب الجبرا جیومیٹری (اقلیدس) علم ہیئت (فلکیات) جغرافیہ منطق فلسفہ عربی شعر وادب اور طب وغیرہ ان سب کو تو محفوظ کرہی لیں اس مقصد کے لئے انہوں نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا دارالعلوم دیوبند بڑی سادگی کے ساتھ ایک استاذ اور ایک شاگرد سے شرع ہوا استاذ کا نام بھی محمود شاگرد کا نام بھی محمود ایک انار کے درخت کے نیچے یہ مدرسہ شروع ہوگیا۔

(جاری)



مولوی محمد عزیز نصیر دارالعلوم سرگودھا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم

لفظ معلم اپنے اندر احترامیت کی تمام قدروں کو سمیٹے ہوئے ایک ایسا لفظ ہے جس سے ہر سلیم الطبع شخص اپنے گوشہ خیال میں ہر اس شخصیت کا تصور کرے گا جو پیکر شفقت و وفا ہو یہی وہ شخصیت ہے جس نے ہمیشہ سے کسی بھی عروج و رفعت میں اساسی کردار ادا کیا ہو یہی وہ زینہ ہے جسے طے کر کے ذرات خاک کو اوج ثریا کی سی بلندی نصیب ہوئی۔

لیکن کوئی شخص فن تدریس سیکھنے، اسالیب تدریس کے چناؤ، وسائل تعلیم کے انتخاب اور آداب تعلیم کے سلسلہ میں مثالی نمونہ پانے کی خواہش رکھتا ہو تو اس شخص کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی عظیم نمونہ نہیں جس کو قرآن نے معلم انسانیت کے نام سے یاد کرتے ہوئے کہا:

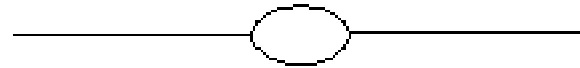
کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتب والحکمۃ۔

ترجمہ: جیسا کہ ہم نے بھیجا تم میں تم ہی میں سے ایک رسول جو پڑھتا ہے تم پر ہماری آیات اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وسنت کی تعلیم دیتا ہے۔

اور خود اپنی بعثت کا تعین کرتے ہوئے فرمایا: انما بعثت معلما ترجمہ: میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اور تعلیم میں ایک نمایاں کارنامہ یہ سرانجام دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے تصور اور مفہوم کو تبدیل کیا جیسا کہ الہیات کے باب میں لوگ الوہیت اور وحدت کے مفہوم کو یکسر تبدیل کر چکے تھے اور الوہیت کی اصل روح کو گلدستہ طاق نسیاں میں رکھ دیا تھا جس کی منظر کشی مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں کی:

لوگوں نے خدا کو، خدا کی صفات کو اور خدا اور بندہ کے باہمی تعلق کو واضح کرنے کے



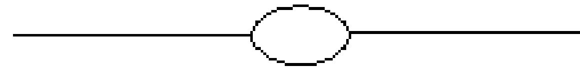
لئے خیالی اور مادی تشبیہیں اور تمثیلیں ایجاد کر کے انہی کو خدا بنا رکھا تھا اور دنیا مشرکوں کی اماجگاہ بن چکی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تشبیہات اور تمثیلات کو یک قلم موقوف کرتے ہوئے شرک قرار دیا اور اعلان فرمایا: لیس کمثلہ شیء، ترجمہ: اس (اللہ) کی مثل کوئی نہیں۔

اور ایسی اصلاحات نافذ فرمائیں جن سے شرک کا قلع قمع ہوا اور توحید کے جھنڈے ہر سو لہرانے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یونان، ایران اور ہندوستان تہذیب وتمدن کے مراکز شمار کیے جاتے تھے اور علمی دنیا میں ایک خاص مقام رکھتے تھے لیکن یہ تعلیمی نظام علم برائے علم کی بنیاد پر تھا جو عمل اور عام رویوں سے ہٹ کر تھا جس کی وجہ سے عوام ان علوم کی افادیت سے یکسر محروم تھی۔

اسی پس منظر کو مولانا سید ابوالحسن ندوی ان الفاظ سے رقم طراز ہیں:

ارسطو جیسے مفکر اور افلاطون جیسے مفکر کے ہوتے ہوئے بھی یونان اخلاقی انحطاط کے آخری نقطہ پر پہنچ چکا تھا اور ہندوستان کی حالت بھی یونان سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی مقام متھ جو پہلے علم کے مراکز شمار کیے جاتے تھے اس وقت کاہلی اور عیاشی کے گڑھ بن چکے تھے بے حیائی اور غیر اخلاقی امور کو عبادت کا نام دے دیا گیا تھا اور پانچویں صدی مسیحی کے اوائل تک ایران بھی اخلاق اور شرافت کے پہلو سے کنارہ کشی اختیار کر چکا تھا اور بے عملی کی فضا نے ہر شخص کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا تعلیمی نظام پیش کیا جس میں علم عمل اور قول فعل سے مربوط تھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش تربیت سے ایک ایسی مبارک اور مثالی نسل تیار ہوئی جن میں علم وعمل میں یکسانیت تھی جو اخلاق حسنہ اور صفات کریمانہ سے آراستہ تھے اور ہر اس جماعت کا ہر فرد اپنی ذات سے ایک مستقل معجزہ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی نظر آتا تھا کسی مصور نے اپنی فن کار موئے قلم اور صناع ذہن سے اس سے بہتر تصور نہیں بنائی ہوگی جیسے کہ حقیقت واقعہ اور تاریخ کی شہادت کی روشنی میں وہ افراد موجود تھے۔

کسی شاعر نے بھی اپنے شاداب تخیل، مواج طبیعت اور شعری صلاحیت سے کام لے کر ایسے اوصاف جمیلہ، ایسی پاکیزہ سیرتوں اور ایسے برگزیدہ محاسن کا خیالی پیکر نہیں تیار کیا ہوگا جس کا نمونہ



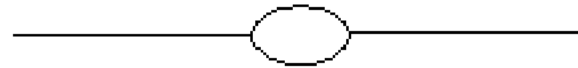
ان کی ذات میں موجود تھا دنیا کے اگر تمام ادیب جمع ہو کر انسانیت کو کوئی بلند ترین نمونہ پیش کرنے کی کوشش کریں تو ان کا تخیل اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتا جہاں واقعاتی زندگی میں وہ لوگ موجود تھے جو آغوش نبوت کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے اور جو درسگاہ محمدی سے فارغ ہو کر نکلے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاعت تعلیم کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اور اس مقصد عظیم کی تکمیل کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کو بھی محنت کی رات کو بھی اشاعت تعلیم کے لئے مشغول رہتے حتی کہ دوران سفر بھی اشاعت تعلیم کے سلسلہ کو جاری رکھتے تھے حتی کہ قرآن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میانہ رو رہنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا: فلعلك با خع نفسك آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی محنت نہ کریں کہ اپنی جان کو ہی گھلا بیٹھیں۔ اسی اشاعت تعلیم کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ممکن طریقے کو اپنایا ان طرق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب وترہیب سے بھی کام لیا وعظ وتذکیر سے بھی تکرار وتاکید سے بھی تشبیہ وامثال سے قول واشارہ سے بھی اور طبائع اور اذہان کی رعایت کو بھی مدنظر رکھا۔

اگر آج بھی ہم تعلیم کی جڑوں کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ معاشرہ کو اس سے فائدہ ہو تو ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اپنانا ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی جدوجہد اور محنت کرنا ہوگی اور علم کو اسی مفہوم میں لینا ہوگا جیسا مفہوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا۔ اللہ تعالی ہمیں بھی تعلیمات نبویہ کی اشاعت کا ذریعہ بنائے (آمین)

دعاء مغفرت کی درخواست

جامعہ حقانیہ کے رکن شوریٰ وخزانچی جناب حافظ عبدالرشید صاحب انتقال فرما گئے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔
مخدوم بزرگ حضرت مولانا غلام جیلانی دامت برکاتہم ساکن بخشن خان چشتیاں کے صاحبزادے شیخ الحدیث حضرت مولانا رشید احمد رشیدی انتقال فرما گئے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔
قارئین الحقانیہ سے مرحومین کے رفع درجات کے لیے دعا کی درخواست ہے (ادارہ)



مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج

تحقیقی جائزہ (قسط ۲۱)

اولاد کے مابین عطیہ میں مساوات

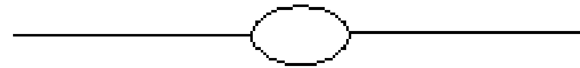
قوله تعالٰی:افحکم الجاهلية يبغون ومن احسن من الله حكما لقوم يوقنون

فيه مسئلتان الاولٰى:في القرطبي ان الجاهلية كانوا يجعلون حكم الشريف خلاف حكم الوضيع كم تقدم في غير موضع .وكانت اليهود تقيم الحدود على الضعفاء الفقراء ولايقيمونها على الاقوياء الاغنياء لجاهلية في هذاالفعل.

الثانيه:روى عن سفيان بن عيينة عن ابي نجيح عن طاؤس قال :كان اذا سالوه عن الرجل يفضل بعض ولده علٰى بعض يقرأ هذه الآية "افحكم الجاهلية يبغون " فكان طاؤس يقول :ليس احد ان يفضل بعض ولده علٰى بعض فان فعل لم ينفذ وفسخ وبه قال اهل الظاهر .وروى عن احمد بن حنبل مثله .وكره الثورى وابن المبارك واسحاق فان فعل ذٰلک احدنفذ ولم يرد واجاز ذٰلک مالک والثورى والليث والشافعي واصحاب الراى .

الجواب عن الاحتجاج لوجوب التسوية بين الاولاد بحديث النعمان

قال الشيخ العثماني :واحتجوا ايضا بانه ﷺ امتنع من الشهادة عليه وقال اني لااشهدعلى الجور او لااشهد الاعلى الحق كماوقع في روايات الصحاح والجواب ان الجور هوالميل عن القصد والاعتدال ولاشک ان القصد والاعتدال هوالتسوية فيكون عدم التسوية جورا ميلا .ولكن لايلزم منه ان يكون حراما لانه مبني على وجوب التسوية وهو ممنوع فلايصح الاستدلال بتسمية جورا .



واماالاستدلال بامتناع رسول الله ﷺ عن الشهادة عليه فغير صحيح ايضالانه مبنى علٰى حرمة ماامتنع رسول الله ﷺ وهوممنوع فانه له ان يمتنع من الشهادة على المكروه ايضا واما الاستدلال بقوله رسول الله ﷺ :"لااشهد الاعلى الحق فغير صحيح لان المرادمن الحق هومايكون حق من كل الوجوه والمكروه ليس كذلك فلا يكون حق لهذاالمعنى ۔

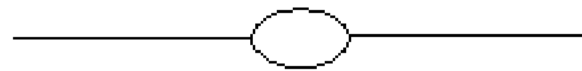
واحتجوا ايضا بانه رسول الله ﷺ قال:اعدلوا بين اولادكم"اوقال : سووابينهم والامر للوجوب والجواب ان كون الامر للوجوب ليس على الاطلاق بل اذا لم يكن قرينة خلافه وههنا قرينة علٰى خلافه وهى انه قال ﷺ :اعدلوا بين اولادكم فى النحل كما تحبون ان يعدلوا بينكم فى البر هكذا فى رواية مسلم وهويدل ان الامر للاستحباب دون الوجوب لان التسوية فى البر ليست بواجبة على الاولاد بل مندوب اليها بشرط القدرة فلايكون التسوية فى العطية واجبة على الاباء بل تكون مندوبا اليها وايضا قدثبت عن الصحابة تفضيل بعض الاولاد علٰى بعض .فهذه قرائن تدل علٰى ان الامر للاستحباب دون الوجوب ۔

واحتجوا ايضا بقوله رسول الله ﷺ "فارجعه "كماورد فى رواية للبخارى والجواب :ان الامر لرفع الكراهة لا لرفع الحرمة فيكون امر ندب لاوجوب۔

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر۵۰ افحكم الجاهلية يبغون ومن احسن من الله حكما لقوم يوقنون کے تحت ایک مسئلہ تفسیر قرطبی کے حوالے سے بیان کیا کہ:

یہود کمزور فقرا پر حد جاری کرتے جبکہ مالدار اور طاقتور لوگوں پر قائم نہ کرتے اس کی ممانعت فرمائی۔

(جاری ہے)



تعارف کتب

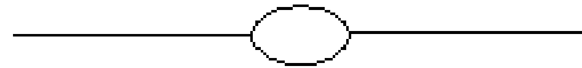
نام کتاب: الخیرالجاری فی شرح صحیح البخاری (مکمل دوجلد) صفحات: جلد اول ۴۶۴ جلد دوم ۴۰۸
مصنف: مصلح الامت حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم
ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان۔فون 0322-6180738

مصلح الامت حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کی ذات ستودہ صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ ایک طویل عرصہ سے حدیث شریف کی تدریس فرمارہے ہیں۔زیرنظر کتاب حدیث کی مستندومعتبر کتاب صحیح بخاری شریف کی مختصر جامع ومکمل آپ کی لکھی ہوئی اردوتقریر ہے۔جوآپ نے تحفۃ القاری شرح بخاری مؤلفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اور دیگر تقریباً ساٹھ شروح وحواشی اور تقاریراساتذہ وغیرہ سے مرتب فرمائی ہے۔

بخاری شریف کی یہ اردوتقریر اختصار کے باوجود علامہ عسقلانی،علامہ عینی،علامہ کشمیری اور دیگر علماء کبار رحمہم اللہ کے علوم ومعارف پر مشتمل ہے۔بلاشک وشبہ یہ شرح اساتذہ وطلباء کے لیے یکساں مفید ہے۔

نام کتاب: حیات سرور مؤلف: حضرت مولانا محمد عتیق الرحمٰن زیدمجدہ وحفظہ اللہ تعالیٰ
ضخامت: ۳۷۶ ناشر: ادارہ علم وعمل جامعہ عبداللہ بن عمر سوا گجومتہ کاہنہ نو لاہور

زیرنظر کتاب مصلح الامت حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کے مبارک حالات وکمالات پر مشتمل ایک روح پرور اور بصیرت افروز تذکرہ ہے حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم کی حیات مبارکہ میں اس کتاب کی اشاعت ایک مستحسن اور قابل تقلید عمل ہے ورنہ ہمارے یہاں کا یہ المیہ ہے کہ بزرگوں کے حالات اور تذکرے اس وقت منظر عام پر آتے ہیں جب وہ اس دنیا سے رخصت



ہوجاتے ہیں اوران سے استفادے کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں اور قاری کی دل میں یہ حسرت ہی رہ جاتی ہے کہ کاش ان بزرگوں کے حالات سے زندگی میں آگاہی ہوجاتی۔

کتاب کا پہلا باب حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم کے لائق وفائق صاحبزادے مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے لکھا ہے اوردوسرے باب میں دیگر اہل علم حضرات کی تحریریں ہیں۔کتاب افراط وتفریط سے مکمل طور پر منزہ ہے۔

کتاب آرٹ پیپر پر مطبوعہ، دل کش ٹائٹل اورعمدہ طباعت سے مزین ہے۔

نام کتاب:معیار صداقت یعنی علماء اہل سنت دیوبند کی پہچان صفحات:۵۸

مؤلف:ابواحمد مولانا نورمحمد قادری تونسوی مدظلہم ناشر مکتبہ عثمانیہ تر نڈہ محمد پناہ ضلع رحیم یار خان

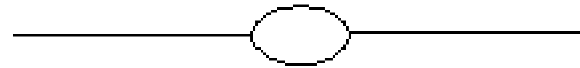
یہ رسالہ جناب محمد یعقوب تبسم کے مضمون مطبوعہ ماہنامہ نغمۂ توحید گجرات کا جواب ہے جس میں انہوں نے بزعم خویش یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عصر حاضر کی جماعت اشاعۃ التوحید والسنۃ کے حضرات علماء دیوبند کے مسلک سے تعلق رکھتے ہیں مولف رسالہ ہذا نے اس مغالطہ کا بہت ہی احسن انداز اورمدلل طریقے سے ازالہ کیا ہے اورثابت کیا ہے کہ عصر حاضر کی جماعت اشاعۃ التوحید والسنۃ اور علماء دیوبند کے عقائد ونظریات کے درمیان فرق ہے اس رسالہ میں ان چند عقائد کو بھی درج کیا گیا ہے۔

نام کتاب:موبائل فون کے شرعی احکام مؤلف:مفتی شاہ اورنگزیب حقانی

ضخامت:۵۴ ناشر:القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد ضلع نوشہرہ

زیرنظر کتابچہ میں موبائل فون سے پیداشدہ مسائل اورشرعی احکام سوال وجواب کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں یہ اپنے موضوع پر ایک مفید مضمون ہے تاہم اس میں بعض مسائل محل نظر بھی ہیں۔

(ع-ن-ت)



فہیم ترمذی فہیم

نعت رسول مقبول ﷺ

آپ کے آنے سے جاگے زندگی کے قافلے
ہر اندھیرے گھر میں آترے روشنی کے قافلے

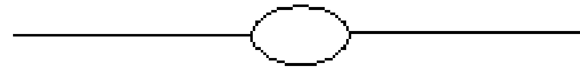
سلسلے عقل وخرد کے نہ سروری کے قافلے
آپ تک پہنچے تو پہنچے بے خودی کے قافلے

ذہن ودل نطق وبیاں لوح وقلم کے واسطے
نعت کے الفاظ ہیں پاکیزگی کے قافلے

ان کے اصحاب جنوں سے فیض لینا چھوڑ دیں
اتنے بے حس بھی نہیں ہیں آگہی کے قافلے

ان کا ہلکا سا تبسم کیا فسوں دکھلا گیا
عمر بھر دل میں نہ دیکھے بے کلی کے قافلے

آپ ہی امت کے رہبر آپ ہی منزل فہیم
آپ ہی کا کارواں ہے آپ ہی کے قافلے

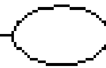


اتباع سنت اور اکابر دیوبند رحمہم اللہ

از قلم فیض رفیع
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

اس زمانۂ شر و فتن اور بدعات و مخترعات کے وقت میں سب اتباع سنت اکابر دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ اسرارہم وغیرہم کی تحقیقات اور مسائل پر عمل کرنے میں منحصر ہے ان میں سے خصوصیت سے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے فتاویٰ اور تحقیقات ہر وقت اور ہر موقع میں مشعل راہ بنانے ضروری ہیں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی کتابوں سے اپنی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پیش آمدہ ضرورت میں کام لیا جا سکتا ہے شادی ہو یا غمی ہر حالت کے بارہ میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں سے احکام معلوم کر کے ان کے موافق عمل کیا جانا ضروری ہے حضرات اکابر دیوبند نے جس طرح سلف صالحین کے طرز پر قرآن وسنت کو سمجھا اور توحید وسنت کی اشاعت کی ہے وہی اصلی توحید وسنت ہے اس کے علاوہ جو توحید وسنت ہے وہ طریقہ سلف صالحین کے موافق نہیں ہے اس سے اجتناب لازم ہے۔

آج کل توحید وسنت کے نام پر اکثر معتزلہ اور خوارج کے عقائد کو پیش کیا جا رہا ہے ان سے بچنا بہت ضروری ہے سلامتی کی راہ اتباع سلف صالحین میں ہے اور اس زمانہ میں اکابر دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ سلف صالحین کا نمونہ ہیں انہی حضرات کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑنا چاہیے اور تمام بدعات سے پرہیز کرنا چاہیے خواہ وہ عقائد کے رنگ میں ہوں یا اعمال و رسومات کے رنگ میں ہوں۔



مناجات مقبول

يَامَنْ تَحُلُّ بِذِكْرِهٖ ☆ عُقَدُ النَّوَائِبِ وَالشَّدَائِدِ
يَامَنْ اِلَيْهِ الْمُشْتَكٰى ☆ وَاِلَيْهِ اَمْرُ الْخَلْقِ عَائِدٖ
يَاحَيُّ يَاقَيُّومُ يَا ☆ مَنْ قَدْ تَنَزَّهَ عَنْ مَضَادِدٖ
اَنْتَ الرَّقِيْبُ عَلَى الْعِبَادِ ☆ وَاَنْتَ فِى الْمَلَكُوتِ وَاحِدٖ
اَنْتَ الْمُعِزُّ لِمَنْ اَطَاعَكَ ☆ وَالْمُذِلُّ لِكُلِّ جَاحِدٖ
اِنَّ الْهُمُومَ جُيُوشَهَا ☆ ذَاالْقَلْبِ مِنِّى قَدْ تَطَارَدْ
فَافْرُجْ بِحَولِكَ كُرْبَتِى ☆ يَا مَنْ لَهٗ حُسْنُ الْعَوَائِدْ
فَخَفِىُّ لُطْفِكَ يُسْتَعَانُ ☆ بِهٖ عَلَى الزَّمَنِ الْمُعَانِدْ
اَنْتَ الْمُيَسِّرُ وَالْمُسَبِّبُ ☆ وَالْمُسَهِّلُ وَالْمُسَاعِدُ
سَبِّبْ لَنَا فَرَجًا قَرِيْبًا ☆ يَا اِلٰهِى لَاتُبَاعِدْ
كُنْ رَاحِمِى فَلَقَدْ اَيِسْتُ ☆ مِنَ الْاَقَارِبِ وَالْاَبَاعِدْ
ثُمَّ الصَّلٰوةُ عَلَى النَّبِىِّ ☆ وَاٰلِهِ الْغُرَرِ الْاَمَاجِدِ

(نفحۃ الیمن فیما یزول بذکرہ الشجن ص ۷۸)

